سحر، پرندے اور اذانیں

ظفر اعوان کی شاعری کا موضوعاتی مطالعہ

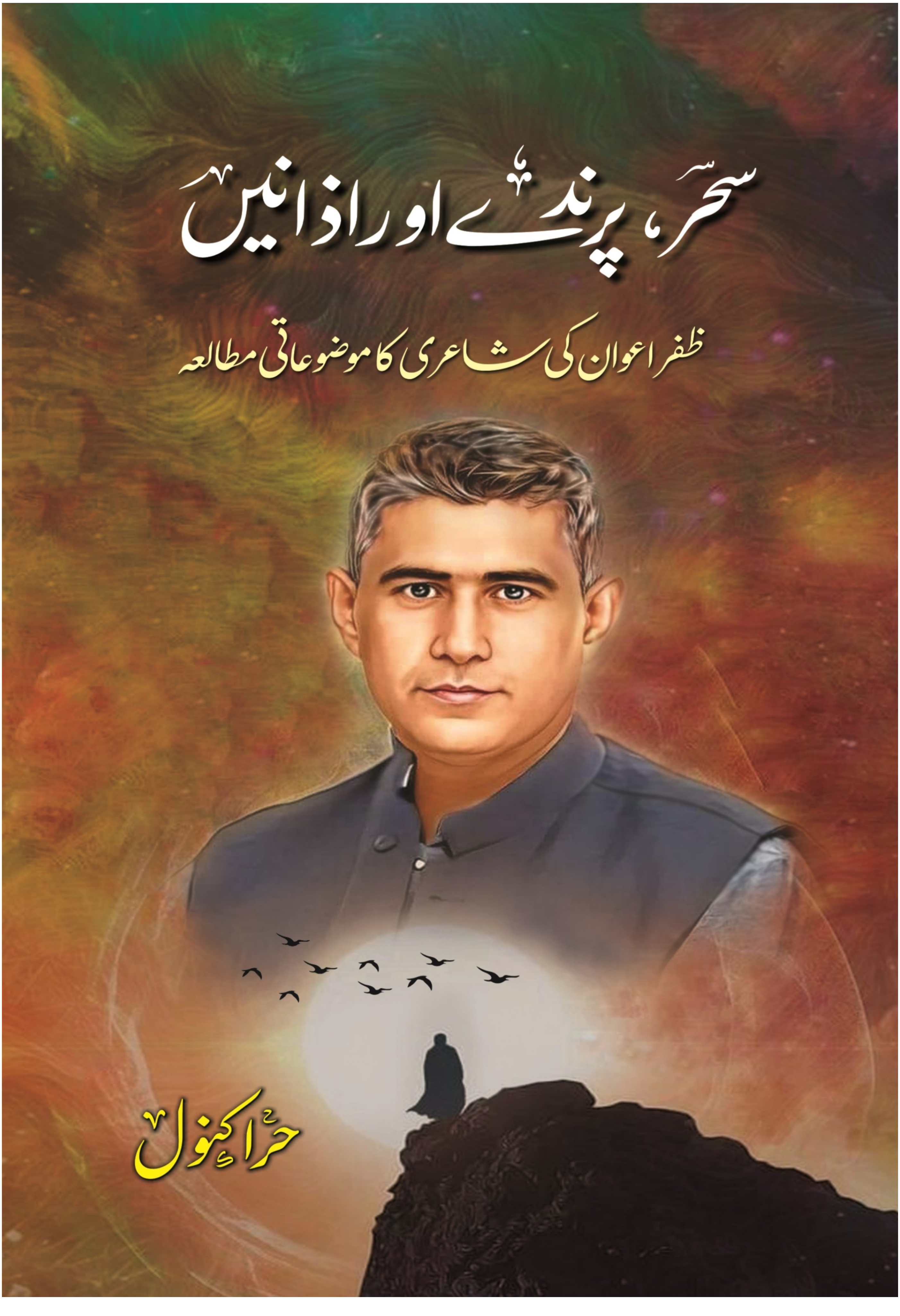

حرا کنول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سحر، پرندے اور اذانیں

ظفر اعوان کی شاعری کا موضوعاتی مطالعہ

....

حرا کنول

سحر، پرندے اور اذانیں

ظفر اعوان کی شاعری کا موضوعاتی مطالعہ

حرا کنول

دھنک مطبوعات

اہتمام اشاعت

زاہد محمود زاہدؔ
حمدان خالد

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب	:	سحر، پرندے اور اذانیں
مصنفہ	:	حرا کنول
کتابت و سرورق	:	حمدان خالد
سال اشاعت	:	2024ء
تعداد	:	500
مطبع	:	حاجی منیر اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور
قیمت	:	1000 روپے
بیرونِ ملک	:	20 امریکی ڈالر 200 ڈینش کرونز

دھنک مطبوعات
DHANAK MATBUAT
dhanakmatbuat.ua786@gmail.com
+92 300-8873052 / # +92 332-0045336

انتساب

....

پیارے بھائی، بہنوں

اور

مرحوم والدین

کے نام

فہرست

❀ پیش لفظ — حرا کنول — ۱۱

احوال و آثار

❀ خاندانی پس منظر — ۱۳
❀ والدین — ۱۵
❀ پیدائش — ۱۷
❀ تعلیم — ۱۸
❀ ملازمتیں — ۲۱
❀ شادی — ۲۲
❀ شخصیت — ۲۶
❀ ظفر اعوان کی برادری — ۲۹
❀ تخلص — ۲۹
❀ عادات و خصائل — ۲۹
❀ بیرون خانہ تعلقات — ۳۲
❀ انسانی ہمدردی کا جذبہ — ۳۳
❀ ظفر اعوان کا شعری سفر اور ادبی خدمات — ۳۴
❀ ادبی تنظیم سازی — ۳۶
❀ ظفر اعوان کی مشاعروں میں شرکت — ۳۶
❀ اندرون ملک مشاعرے — ۳۷
❀ بیرونِ ملک مشاعرے — ۳۸

❀ سپین مشاعرے ۳۸
❀ ڈنمارک مشاعرہ ۴۰
❀ ناروے مشاعرہ ۴۰
❀ فرانس مشاعرہ ۴۱
❀ اٹلی مشاعرے ۴۲
❀ اندرونِ اور بیرونِ ملک انٹرویوز ۴۲
❀ حوالہ جات ۴۶

آرزوئے سحر کا موضوعاتی مطالعہ

❀ تعارف ۴۷
❀ ظفر اعوان اور آرزوئے سحر کے بارے میں چند ہم عصر شعرا کی آرا ۴۷
❀ ''آرزوئے سحر'' کا موضوعاتی مطالعہ ۵۲
❀ حمدیہ کلام ۵۳
❀ نعتیہ کلام ۵۶
❀ امید ۵۹
❀ محبت ۶۱
❀ تنہائی ۶۳
❀ یاد ۶۴
❀ حب الوطنی ۶۶
❀ ہجرت کے دُکھ ۶۷
❀ زندگی ۶۹
❀ نظم ۷۱
❀ تیری یاد ۷۳
❀ انا ۷۵

❀ آوارہ سا خیال ۷۷
❀ اور تم میرے نہیں ۷۸
❀ خوش فہمی ۸۰
❀ حوالہ جات ۸۵

مہاجر پرندے کا موضوعاتی مطالعہ

❀ نعت ۹۳
❀ تصوف ۹۶
❀ زندگی کی بے ثباتی ۹۹
❀ ہجر و وصال ۱۰۰
❀ سفر ۱۰۱
❀ معاشرتی مسائل کی عکاسی ۱۰۳
❀ سیاست ۱۰۶
❀ ملی وحدت ۱۰۸
❀ وطن سے محبت ۱۰۹
❀ بے حسی ۱۱۱
❀ منافقت ۱۱۳
❀ واقعہ کربلا کا بیان ۱۱۵
❀ ساون ۱۱۷
❀ شکوہ شکایت ۱۲۰
❀ تشبیہ ۱۲۱
❀ تخلص کا استعمال ۱۲۳
❀ اداسی ۱۲۴
❀ یادیں ۱۲۵

❀ عشق ۱۲۸
❀ خواب ۱۳۱
❀ آنسو ۱۳۳
❀ اضطراب ۱۳۵
❀ حوالہ جات ۱۴۱

''دھیمی اذانیں'' کا موضوعاتی مطالعہ

❀ تعارف ۱۴۳
❀ توحید پرستی ۱۴۶
❀ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۵۰
❀ عشقِ اہلِ بیت ۱۵۵
❀ اقلیتوں کے دکھ ۱۵۹
❀ معاشرتی بگاڑ ۱۶۳
❀ مفلسی ۱۶۷
❀ فرقہ بندی ۱۷۰
❀ معاشی جلاوطنی ۱۷۴
❀ عقل وشعور (آگہی) ۱۷۷
❀ غمِ دوراں اور غمِ جاناں ۱۷۹
❀ موسم ۱۸۴
❀ دعا ۱۸۶
❀ غریب الوطنی کا دکھ ۱۸۹
❀ حوالہ جات ۱۹۹

پیش لفظ

میں اللہ پاک کی شکر گزار ہوں جس کی کرم نوازی ہے کہ آج میں اس کتاب کو مکمل کر سکی اور نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر بے شمار درود و سلام کہ جن کے لئے یہ بزمِ جہاں سجائی گئی۔ یہ میرے والد محترم مرحوم کی ہی کاوشوں کا ثمر ہے کہ میں آج اس مقام پر پہنچی ہوں، صد افسوس کہ میری تمام کامیابیوں کا سہرا جن کے سر ہے آج وہ اس کامیابی کو دیکھنے کے لئے یہاں موجود نہیں ہیں۔ اللہ پاک مرحوم والدین کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ اس کے بعد میں دل کی گہرائیوں سے اپنی بہن ہما مجاہد کا شکریہ ادا کرتی ہوں جس نے ہر مرحلے پر میرا ساتھ دیا اور حوصلہ افزائی کی۔ اس کے علاوہ بڑے بھائی صاحب کی بھی شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے ہر طرح کی مدد فراہم کی۔

یہ کتاب کل چار ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول ''ظفر اعوان'' کے ''احوال و آثار'' پر مشتمل ہے جس میں ان کے خاندان، والدین، پیدائش، تعلیم، ازدواجی زندگی، ملازمتیں اور ان کی ادبی و علمی خدمات کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔ باب دوم ''آرزوئے سحر کا موضوعاتی مطالعہ'' باب سوم'' مہاجر پرندے کا موضوعاتی مطالعہ'' اور باب چہارم ''دھیمی اذانیں کا موضوعاتی مطالعہ'' میں ظفر اعوان کی ان کتابوں میں موجود نظموں اور غزلوں کے موضوعات کا مثالوں کے ساتھ تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے اور ان کی وضاحت کی گئی ہے۔

میں محترم ''ڈاکٹر قیصر آفتاب احمد'' کی بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے کتاب کے

تمام مراحل میں بھرپور تعاون کیا۔ان کی محبت وشفقت اور ہر قدم پر رہنمائی کی وجہ سے ہی بطریق احسن یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا ہے۔میں ان کی تمام ہدایات،شفقت اور رہنمائی کے لئے ان کی بے حدممنون ہوں۔ میں ڈاکٹر مشتاق عادل، ڈاکٹر یاسمین کوثر ، ڈاکٹر یوسف اعوان ، ڈاکٹر عامر اقبال اور ڈاکٹر عبدالستار نیازی کی بے حد شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے کمال شفقت سے بھرپور رہنمائی کی۔اللہ پاک ان سب کو ہمیشہ خوش اور آباد رکھے آمین۔

میں ظفر اعوان کے دوست اور معروف شاعر آصف علی علوی کی شکر گزار ہوں جنہوں نے ظفر اعوان سے متعارف کروایا اور ان سے رابطہ کروانے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی معلومات بر وقت مہیا کیں۔میں محترم ظفر اعوان کی بے حد ممنون ہوں جنہوں نے جب جب مجھے ضرورت محسوس ہوئی اپنے قیمتی وقت سے نوازا اور اپنی شعری کتب کہ علاوہ ہر طرح کی معلومات بروقت مہیا کیں۔میں ان کے اہل خانہ اور احباب کی بھی شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے مجھے ہر طرح کی مفید معلومات سے بذریعہ انٹرویو نوازا۔یہ حقیقت ہے کہ ان سب کے تعاون کے بغیر اس کتاب کی تکمیل ممکن نہ تھی۔

حرا کنول

احوال وآثار

خاندانی پس منظر:

ظفر اعوان کے آبا واجداد کاتعلق پاکستان (پنجاب) جموں بارڈر کے قریب واقع علاقے"ہر پال" سے ہے۔ظفر اعوان کے پردادا کا نام"محمد دین" تھا۔ان کاتعلق درویش خاندان سے تھا۔ان کا خاندان"ولی خاندان" کے نام سے مشہور ہے۔پردادا آبائی زمینوں پر کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے-ظفر کے دادا ولی اللہ درویش صفت انسان تھے۔صوم وصلوۃ کے پابند تھے۔وہ دل کے سچے اور کھرے انسان تھے۔فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد کرنا اور ان کے کام آنا ان کی عادت میں شامل تھا۔اپنے عمل سے تو کیا اپنے دل میں بھی کبھی کسی کا برا نہیں سوچا۔ان کے دادا کا نام"حیدر علی"حضرت علی کی نسبت سے رکھا گیا جس کا اثر ان کی شخصیت سے واضح تھا۔ظفر کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنے دادا کو نہیں دیکھا تھا لیکن ان کی نیکی، شرافت، سچائی اور بہادری کے چرچے لوگوں سے بہت سنے۔

ظفر اعوان کے دادا سات بھائی تھے اور سات کے سات ہی درویش تھے- ظفر اعوان کے دادا کا نام"حیدر علی" تھا وہ ظفر کی پیدائش سے قبل ہی وفات پا چکے تھے۔ انہوں نے اپنے دادا کے بھائی جن کا نام"عبدالغنی" تھا انہیں ہی اپنے دادا کے طور پر دیکھا۔ انہیں لوگ" بابا جی" کہہ کے پکارتے تھے۔عبدالغنی ایک نہایت پارسا، درویش صفت، پُر خلوص، انسان دوست، سچے اور عاشق رسول ﷺ تھے نبی کریم ﷺ اور اہل بیت سے خاص محبت رکھتے تھے۔نبی پاک ﷺ اور آپ ﷺ کی سنتوں سے محبت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے ساری زندگی بکریاں چرائیں۔کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ان

کے آباو اجداد سے لے کر سارا خاندان عشق مصطفی ﷺ اور عشق اہل بیت میں ڈوبا ہوا ہے اسی کا اثر ان کی نسلوں کی تربیت اور زندگی میں واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ بچے سب کچھ اپنے بڑوں سے سیکھتے ہیں چاہے محبتیں ہوں یا نفرتیں، دین مذہب کے معاملات ہوں یا دنیاوی روایات غرضیکہ سب کچھ انسان اپنے بڑوں سے سیکھتا ہے۔ ظفر کی شخصیت میں جو دینی پہلو نمایاں ہے وہ ان کے آباو اجداد کی تعلیمات کا اثر ہے۔ ظفر نے اپنے دادا کی زندگی سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ ظفر اعوان اپنے دادا کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''میرے دادا ابو کا نام حیدر علی ہے وہ ایک درویش اور بھلے مانس انسان تھے۔ میں ابھی پیدا بھی نہیں ہوا تھا جب وہ رحلت فرما گئے۔ دادا ابو کے سب سے چھوٹے بھائی جن کا نام 'عبدالغنی' تھا۔ ہم انہیں دادا ابو کہتے تھے۔ وہ ایک ولی اللہ صفت انسان تھے۔ وہ جنت البقیع مدینہ منورہ میں دفن ہیں [1] ''

دادا عبدالغنی ہی ظفر اعوان کے لیے اصل نمونہ ہیں کیونکہ ظفر کی پیدائش سے قبل ہی ان کے دادا حیدر علی کی وفات ہوچکی تھی اور انہوں نے اپنی ہوش سنبھالتے ہی دادا کے روپ میں دادا کے بھائی عبدالغنی کو دیکھا۔ ان کے کردار نے ظفر کو بہت متاثر کیا اور ظفر نے ان کی بہت سی تعلیمات اور عادات کو اپنی عملی زندگی میں اپنایا۔ انہیں نبی پاک ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ مدینے جاوں گا تو وہاں سے واپس نہیں آوں گا۔ اس پر لوگ کہتے کہ شرطے تمہیں وہاں سے نکالیں گے وہ ان کے جواب میں کہا کرتے تھے کہ میں ایسا غائب ہو جاوں گا کہ اِنہیں نظر ہی نہیں آوں گا۔ عبدالغنیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے حج پر جانے سے پہلے اعلان کیا تھا کہ لوگو میں حج کیلئے جا رہا ہوں

اور وہاں سے واپس نہیں آؤں گا۔ جب وہ روضہ رسول ﷺ پہنچے تو اسلام علیکم یا رسول ﷺ کہا اور کوما میں چلے گئے اور اس کے بعد کبھی ہوش میں نہیں آئے۔ اپنی شدید خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہوئے وہیں خالقِ حقیقی سے جا ملے اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

والدین:

ظفر اعوان کے والد ''بشیر احمد'' پاکستان میں پنجاب کے گاؤں ''ہرپال'' میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے آباؤ اجداد کی طرح تمام عمر کھیتی باڑی کے پیشہ سے منسلک رہے۔ ان کا شمار اعوان برادری کے اکابرین میں ہوتا تھا۔ ظفر کے والد صاحب ایک درویش، بہادر اور غیرت مند انسان تھے۔ وہ کھیتی باڑی کے پیشے سے منسلک تھے، انہوں نے سخت محنت کر کے اپنے بچوں کو پالا اور ان کی بہترین پرورش کی۔ ظفر اعوان والد محترم کے بارے میں بتاتے ہیں:

> ''والد صاحب پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن انہوں نے اپنے محدود وسائل میں رہتے ہوئے پوری کوشش کی کہ ہم سب بہن بھائی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہوں۔ ہمارے علاقے کے لوگ ان کی دیانت داری کی قسمیں اٹھاتے تھے اور گاؤں کے لوگ ان سے اپنے فیصلے کرواتے تھے۔[۲]''

ظفر کے والد کی بہادری اور نیک دلی کی شہادت پورا گاؤں دیتا ہے۔ آبائی زمینوں پر کاشتکاری کر کے بال بچوں کی رزق حلال سے پرورش کی۔ خود ناخواندہ ہونے کے باوجود انہوں نے اولاد کی تعلیم پر خاص توجہ دی اور انہیں تمام وسائل مہیا کیئے۔ گاوں میں بشیر صاحب کو ان کے منصفانہ رویے اور نیک نامی کی وجہ سے خاص شہرت حاصل تھی۔ ان کا شمار

گاوں کے منتظمین اور منصفین میں ہوتا تھا۔ان کے تمام فیصلوں پر اہل علاقہ ہمیشہ اطمینان کا اظہار کرتے۔ظفر کی عمر بیس برس تھی جب ان کے والد کا انتقال ہوا۔ان کے والد ایک بہادر اور نرم دل انسان تھے۔ملازمین موجود ہونے کے باوجود بارڈر کے قریب بھینسیں چرانے خود جاتے کیونکہ پاک بھارت تعلقات میں کشیدگی کے پیش نظر بارڈر کے قریب جانا جان خطرے میں ڈالنے کے مترادف تھا۔وہ بارڈر کے قریب اپنی بھینسیں چرا رہے تھے کہ اچانک انڈین آرمی نے فائرنگ کی،پہلی گولی بازو میں لگی اور ان کا بازو ٹوٹ کر لٹک گیا انہوں نے ٹوٹے ہوئے بازو کو اپنے دوسرے ہاتھ اور دانتوں کی مدد سے اپنی پگڑی کی چادر کے ساتھ باندھ دیا اور مویشیوں کو محفوظ رکھنے کے لیے پھر سے ہانکنا شروع کر دیا،ابھی اس زخم سے سنبھلے نہ تھے کہ ہیوی مشین گن کا ایک اور فائر ان کے سینے کے آر پار ہو گیا۔یوں تہتر برس کی عمر میں انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔

ظفر کی والدہ کا نام ”عائشہ بی بی“ ہے۔عائشہ بی بی کے والد کا نام ”اللہ رکھا“ تھا۔ان کا تعلق پنجاب کے شہر پسرور کے ایک گاؤں ”شہرک“ سے تھا۔ان کی اولاد میں دو بیٹیاں عائشہ بی بی،سلطان بی بی اور ایک بیٹا محمد رمضان شامل ہیں۔ان کی والدہ کا تعلق ایک نیک اور معزز گھرانے سے تھا-ظفر کے بھائی سفارش علی والدہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

> ”ہماری والدہ نہایت محنتی،شفیق اور مہربان خاتون ہیں۔وہ گھر کے کاموں کے ساتھ ساتھ والد صاحب کے ساتھ کھیتی باڑی میں بھی ہاتھ بٹاتیں۔ان کی عمر سو برس کے قریب ہو گئی ہے لیکن آج تک ان کی کبھی کسی بہو سے اور نہ ہی داماد سے تلخ کلامی ہوئی۔[۳۱]“

ظفر اعوان کی والدہ عائشہ بی بی پرہیز گار اور نیک خاتون ہیں۔وہ لوگوں کی

بے لوث مدد کر دیا کرتی ہیں۔انہوں نے اپنی ساری اولاد کی تربیت میں دینوی پہلو پر خاص توجہ دی۔ عائشہ بی بی ہر خاص و عام سے اخلاق سے پیش آتیں۔بے غرض لوگوں کی مدد کرنا اوران کے ساتھ حسن سلوک کرنا عائشہ بی بی کا شیوہ تھا۔بچوں کی دیکھ بھال اورامور خانہ داری کےعلاوہ ظفر کی والدہ اپنے خاوند کے ساتھ کھیتوں کے کام میں بھی مدد کرتیں۔ان کے حسن اخلاق کا نتیجہ ہے کہ ان کے تمام سسرال والے ان کی بے انتہا عزت اور بے، پناہ محبت کرتے ہیں۔ظفر اعوان کی پھوپھیاں ان سے ماں کی طرح محبت کرتیں تھیں۔سو سال کی عمر درازی میں بھی اپنے حسن سلوک کی وجہ سے آج تک ان کے تمام رشتہ داران سے خوش ہیں۔کسی کو ان سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ظفر کو اپنے بہن بھائیوں میں سب سی چھوٹے اور لاڈلے ہونے کی وجہ سے والدہ، والد کے ساتھ ساتھ بڑے بہن بھائیوں کی بھی خاص محبت وشفقت اور توجہ نصیب ہوئی۔

پیدائش:

ظفر اعوان یکم جنوری 1982ء سیالکوٹ جموں بارڈر پر واقع گاؤں" ہر پال" میں پیدا ہوئے۔آپ دس بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے اور لاڈلے ہیں۔ظفر اعوان کا نام"ظفر اقبال اعوان" ان کے بڑے بھائی اظہر حسین اعوان نے رکھا۔ظفر اعوان کی والدہ نہایت نیک اور سلجھی ہوئی خاتون ہیں۔انہوں نے اپنی اولاد کی تربیت میں دینوی پہلو پر خاص توجہ دی جس کا اثر تمام اولاد کی شخصیت میں نمایاں نظر آتا ہے۔ظفر اعوان کے بھائیوں میں اظہر حسین، عارف حسین، محمد ارشد، سفارش علی اور بہنوں میں عذرہ بی بی، زبیدہ بی بی، حفیظ بی بی، تنویر بی بی اور نسرین بی بی شامل ہیں۔ظفر کے بڑے بھائی اظہر حسین نے سعودی عرب میں" لاہور ریسٹورینٹ" کے نام سے اپنا ہوٹل بنایا۔ وہاں سے واپسی پر

پاکستان اپنے ہی گاؤں میں میرج ہال چلا رہے ہیں۔ عارف حسین آبائی پیشہ کھیتی باڑی کرنے کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی شمولیت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے علاقے کے کونسلر بھی رہ چکے ہیں۔

ان کے بھائی ارشد اعوان اسپین میں رہائش پذیر ہیں۔ وہاں وہ کھیتی باڑی (فارمنگ) کے پیشہ سے منسلک ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ادبی ذوق بھی رکھتے ہیں۔ ارشد پنجابی کے مشہور شاعر ہیں۔ ارشد اعوان ویسے تو عمر میں ظفر اعوان سے بڑے ہیں لیکن شاعری میں ظفر کے شاگرد ہیں۔ ظفر نے ان کو علم عروض اور علم شعر کی تعلیم دی۔ ان کی دو تصانیف" بول فقیرا" اور" بلھے دا پنجاب" شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی تصنیف" بول فقیرا" کو سوچ ایوارڈ، علامہ اقبال ایوارڈ اور دیگر کئی ایوارڈ مل چکے ہیں۔ ظفر اعوان کے بھائی سفارش علی بھی ادبی ذوق رکھتے ہیں لیکن ان کا رجحان طنز و مزاح کی طرف ہے۔ ان کا کوئی بھی مجموعہ اب تک شائع نہیں ہوا البتہ وہ مشہور مشاعروں کا حصہ بنتے رہتے ہیں۔ ان کی ساری بہنیں شادی شدہ ہیں اور گھریلو خواتین ہیں۔

تعلیم:

ظفر اعوان کی دینی تعلیم و تربیت گھر پر ہی ہوئی۔ آپ کی تعلیم میں اماں ابا کے ساتھ ساتھ بڑے بھائی اظہر حسین اعوان، عارف حسین اعوان اور اساتذہ کرام کا بہت اہم کردار ہے۔ پرائمری تعلیم 1992ء میں گورنمنٹ پرائمری سکول ہرپال، سیالکوٹ سے حاصل کی۔ مڈل کی تعلیم 1995ء نیشنل پبلک سکول لنگڑیالی، سیالکوٹ سے حاصل کی۔ میٹرک 1997ء میں گورنمنٹ ہائی سکول مہرا جکے، سیالکوٹ سے کیا۔ ایف۔ ایس۔ سی کا امتحان گورنمنٹ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ سے 1999ء میں پاس کیا۔ اس کے بعد

بی۔ایس کمپیوٹر سائنس کا امتحان یونیورسٹی آف سینٹرل پنجاب لاہور سے 2004ء میں پاس کیا۔اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں سویڈن چلے گئے اور 2008ء میں بی۔ٹی۔ایچ یونیورسٹی سویڈن سے ایم۔ایس۔سی الیکٹریکل انجینیرنگ کی ڈگری حاصل کی۔ظفر اعوان کی اماں جان ان کے بارے میں بتاتی ہیں۔

> ''ظفر میرا سب سے چھوٹا بیٹا ہے اور سب سے زیادہ لاڈلا بھی ہے۔ تھوڑا جذباتی ہے پر سولہ آنے کھرا ہے۔میرے بچوں میں سب سے زیادہ پڑھا لکھا ہے۔اسے بچپن سے ہی پڑھنے لکھنے کا بہت زیادہ شوق تھا اور اس نے اس کے لئے سخت محنت بھی کی۔[۳]''

ظفر اپنی والدہ کے سب سے لاڈلے اور راج دلارے بیٹے ہیں۔سب سے چھوٹا بچہ تو ویسے ہی سب کا لاڈلا ہوتا ہے لیکن ظفر اپنی خوبیوں کی وجہ سے ہمیشہ سے ہی سارے خاندان کی خاص توجہ حاصل کرتا رہا ہے۔ظفر کی والدہ کو ان کے سچے اور کھرے ہونے پر ناز ہے۔اس کے علاوہ وہ ان کے محنتی ہونے پر بھی فخر محسوس کرتی ہیں کیونکہ وہ بخوبی اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ محنت ہر تالے کی کنجی ہے۔وہ ظفر کے پڑھے لکھے اور محنتی ہونے پر بہت فخر محسوس کرتی ہیں۔ان کی والدہ بتاتی ہیں کہ یہ ہمارا گاؤں کا پہلا لڑکا ہے جو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے یورپ گیا تھا۔

چھوٹے بہن بھائیوں کے لیے بڑے بہن بھائی بھی والدین کا کردار ادا کرتے ہیں۔کچھ ایسا ہی ظفر اعوان کے ساتھ ہے۔والد کی وفات کے وقت ظفر کی عمر صرف بیس سال تھی ان کے بعد بڑے بہن بھائیوں نے انہیں کبھی والد کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔اپنی اچھی عادات وخصائل کی وجہ سے والدہ اور بہنوں کی بھی آنکھوں کا تارا ہیں۔محنت، ذہانت

اور اعلیٰ تعلیم کے حصول نے ان کی مقبولیت اور شہرت میں مزید اضافہ کیا۔

یہ تمام بہن بھائیوں میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں اسلئے پورے خاندان کیلئے باعث فخر ہیں۔ یہ بچپن ہی سے بہت محنتی اور ذہین طالب علم رہے۔ شعر کہنا بھی بچپن ہی سے شروع کر دیا تھا۔ ظفر نے اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ شاعری کو بھی خوش اسلوبی سے جاری رکھا اور ایک معروف شاعر کے طور پر متعارف ہوئے۔ ظفر اعوان بتاتے ہیں کہ ابا جان کو بہت شوق تھا کہ ان کے سارے بچے تعلیم یافتہ ہوں اور اس کے لئے انہوں نے سخت محنت بھی کی۔ بدقسمتی سے میرے علاوہ ان کا کوئی اور بچہ گریجویشن نہ کر سکا۔ مجھے یاد ہے جب میں لاہور میں بی ایس کمپیوٹر سائنس کر رہا تھا تو لوگ پوچھتے کہ ظفر لاہور میں کس کلاس میں پڑھتا ہے تو وہ خوش ہو کر پنجابی میں کہتے:

> ''مینوں نہیں پتا میرا منڈا خورے کہڑی کلاس وچ اے تے کیہ پڑھدا اے پر پڑھی جا رہیا اے۔[۵]''

ظفر اعوان کے والد اَن پڑھ ہونے کے باوجود اولاد کی تعلیم و ترقی کے خواہاں تھے۔ پوری کوشش کی کہ ساری اولاد خوب پڑھے لکھے۔ ظفر کی صورت میں انہیں اپنا یہ خواب پورا ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ جب لوگ ان سے پوچھتے کہ آپ کا بیٹا کیا پڑھ رہا ہے کس جماعت میں ہے تو خوشی سے پھولے نہ سماتے اور کہتے کہ یہ تو میں نہیں جانتا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے اور کیا بن رہا ہے بس بہت زیادہ پڑھتا ہے۔ اور نہ جانے کب سے پڑھتا ہی جا رہا ہے۔ ظفر کے والد ظفر کی تعلیم و قابلیت کا ذکر اپنے احباب میں بڑے فخر سے کرتے۔ ظفر کہتے ہیں کہ ان کی بہت بڑی خواہش تھی کہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کروں۔ میں اللہ کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے سرخرو کیا۔

ملازمتیں:

ظفر اعوان نے ماسٹرز کے بعد پہلی بار ایک پرائیویٹ کمپنی میں ایک سال تک سافٹ ویئر انجنیئر کے طور پر بعوض تیس ہزار روپے ماہوار ملازمت کی۔ اس کے بعد سب بھائی الگ ہوئے تو تیس ہزار ماہوار میں گزارہ مشکل تھا اس لئے 2006ء دوبارہ واپس ڈنمارک چلے گئے۔ ڈگری ہونے کے باوجود زبان کے مختلف ہونے کی وجہ سے ملازمت کے حصول میں بہت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری طرف وہاں رہنے کے لیے کام کرنا ناگزیر تھا۔ ایسے حالات میں ایک دوست کے مشورہ پر انہوں نے ایک ہوٹل میں بطور کچن ہیلپر کام شروع کیا۔

بالآخر بہت کوششوں کے بعد مستقل بنیادوں پر کوکنگ کے شعبے سے منسلک ہو گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ظفر کی دلچسپی اس ملازمت میں بڑھنے لگی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اس کام کے ساتھ ساتھ وہ اپنے شاعری کے شوق کی بھی تسکین کر پاتے تھے۔ اس بارے میں ان کا کہنا ہے کہ میں نے کوکنگ کو مستقل ذریعہ معاش اس لیے بنایا ہے کہ کچن میں کام کرنے سے میرا دماغ تھکاوٹ کا شکار نہیں ہوتا اور جسمانی تھکاوٹ میرے شوق کی راہ میں حائل نہیں ہوتی۔ شاعری کے ساتھ ساتھ کوکنگ کے شعبے میں بھی ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے ظفر ایک کامیاب شیف کی صورت میں ابھرے۔ 2017ء سے تا حال وہ ہوٹل میں بطور شیف ملازمت کر رہے ہیں۔ دیارِ غیر میں ملازمت کی دشواریوں اور اپنوں سے جدائی کی کیفیات کو ظفر کچھ اس انداز میں بیان کرتے ہیں:

آئے تھے پردیس میں دو چار برسوں کے لئے
رو رہے ہیں بیٹھ کر آئندہ نسلوں کے لئے[۶]

ظفر کو اپنے وطن سے بے پناہ محبت ہے۔وطن سے دوری کا دکھ ان کی شاعری میں جگہ جگہ نمایاں ہے۔انھیں اس بات کا بھی دکھ ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں بھی پردیسی ہو کر رہ جائیں گی۔پردیس میں ملازمتوں کی مشقتوں نے جوانی میں ہی بڑھاپے کا احساس دلا دیا ہے۔انھیں ایسا لگتا ہے جیسے کسی پرندے کے پر کاٹ کر اسے قید کر دیا گیا ہو۔اسی طرح ظفر بھی قیدی پرندے کی طرح اپنے ملک کی جدائی میں مضطرب ہیں۔انہیں لگتا ہے کہ جیسے ان کی ذات دو کشتیوں میں سوار ہے۔ایک طرف پُرکھوں کی تعلیمات ہیں تو دوسری طرف بچے کہیں پردیس میں غیر ملکی ثقافت کا لبادہ نہ اوڑھ لیں۔انہیں ایسا لگتا ہے جیسے ان کا اب اپنا کوئی بھی ملک نہیں ہے جیسے محبت اور وفاداری تقسیم ہو کر رہ گئی ہو۔

شادی:

شادی انسانی زندگی کا ایک پہلو اور رسول کریم ﷺ کی سنّت ہے۔سفر حیات میں نیک شریک حیات کی شمولیت خداوند کی بہت بڑی نعمت ہے۔ظفر اعوان کی شادی سمیرا اشرف سے ہوئی۔سمیرا کے بزرگوں کے ظفر کے گھر والوں سے دیرینہ مراسم تھے۔ان کے والد محترم محمد اشرف ملک صاحب ظفر اعوان کے بڑے بھائی محمد عارف کے بے تکلف دوست تھے۔سمیرا کا تعلق سیالکوٹ کے گاؤں ”سلانکے“ سے ہے۔دوستی اور برادری کے تعلق کو رشتہ داری کے ذریعے مظبوط کرنے کیلئے ظفر اعوان کے بھائی نے ظفر اعوان کا رشتہ سمیرا اشرف سے طے کر دیا۔16 مئی 2009ء کو ظفر اعوان شادی کے خوبصورت بندھن میں بندھ گئے۔بیگم سمیرا ظفر اعوان اپنی ازدواجی زندگی کے بارے میں بتاتی ہیں:

”16 مئی 2009ء کو ہماری شادی ہوئی جو کہ ایک ارینج میرج تھی،
شادی سے پہلے ملنا تو دور ہم نے ایک دوسری کی فوٹو بھی نہیں دیکھی تھی۔

ہمارے ماشاءاللہ چار بچے ہیں اور ہم ایک نہایت خوشگوار اور محبت بھری زندگی گزار رہے ہیں۔ ظفر ایک اچھے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین شوہراور باپ ہیں ؎ ''

سمیرا کی شادی سے پہلے ظفر سے کوئی شناسائی نہ تھی۔ گھر والوں کی رضامندی سے شادی طے پائی۔ لیکن شادی کے بعد ظفر کے اچھے اخلاق اور محبت سے بھرپور رویے نے سمیرا کو نئے ماحول کو اپنانے میں مدد دی۔ زندگی کی تیرہ بہاریں ظفر کے ہمراہ دیکھنے کے بعد سمیرا بہت مطمئن ہیں اور ظفر کو ایک بااعتماد اور محبت کرنے والا ساتھی اور ذمہ دار اور شفیق باپ پایا۔ اپنے اور بچوں کے ساتھ ان کا سلوک اور ان کا احساس ذمہ داری دیکھ کر سمیرا اپنے آپ کو خوش نصیب خاتون تصور کرتی ہیں۔ ظفر اعوان سمیرا کے ساتھ ایک پرسکون اور کامیاب ازدواجی زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ بیوی اور بچوں کے ساتھ شفقت، محبت اور دوستی کا تعلق قائم کئے ہوئے ہیں۔ انتہائی بااخلاق اور خوش مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ حساس دل بھی ہیں۔ ان کے بھائی، بہن، بیوی اور بچے سبھی ان سے ہر طرح سے خوش ہیں۔ ادبی و پیشہ ورانہ مصروفیات کے باوجود ظفر گھر والوں کو ترجیحی بنیادوں پر وقت دیتے ہیں۔ آپ چھٹی والے دن اپنے گھر والوں کیلیے مزے دار پکوان بھی بناتے ہیں۔

اولاد:

ظفر اعوان کی اولاد میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔ محمد علی اعوان بڑے بیٹے ہیں جو جماعت چہارم کے طالبعلم ہیں۔ ان کی عمر دس برس ہے۔ عائزہ علی اعوان کی عمر آٹھ برس ہے۔ وہ جماعت دوئم کی طالبہ ہیں۔ اشباہ علی اعوان کی عمر چھ برس ہے اور وہ زیرو جماعت کی طالبہ ہیں۔ احمد علی اعوان کی عمر تین برس ہے۔ وہ کنڈر گارڑن سکول میں

ہیں۔بیگم سمیرا ظفر اولاد کے بارے میں بتاتی ہیں:

''یہ خدا کا خاص کرم ہے کہ اس نے اولاد کی شکل میں ہمیں اپنی رحمت اور نعمت دونوں سے نوازا۔ظفر اعوان اپنی انتہائی پیشہ ورانہ اور ادبی مصروفیات کے باوجود اولاد کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دیتے ہیں۔وہ بچوں کے ساتھ خوشگوار وقت گزارتے ہیں اور بچے بھی ان کی صحبت میں رہنا پسند کرتے ہیں۔[۸]''

بیگم سمیرا ظفر اللہ پاک کی بہت شکر گزار ہیں کہ اس نے انہیں بیٹے اور بیٹیوں دونوں سے نوازا ہے۔بیٹے اگر خدا کی نعمت ہیں۔تو بیٹیاں خاص رحمت ہیں اور گھر کی رونق ہیں۔ظفر شاعری کے شوق اور اپنی نوکری کی مصروفیات کے علاوہ گھر والوں کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔وہ بچوں کے ساتھ وقت گزارتے ہیں۔ان کی تعلیمی ضروریات اور کردار کی اصلاح میں سمیرا کی مدد کرتے ہیں۔اس کے علاوہ پردیس میں ہوتے ہوئے بھی اپنے بچوں کو دیس اور اس کی ثقافت کے ساتھ جوڑے ہوئے ہیں۔بچے ظفر کو والد کے علاوہ دوست کا بھی درجہ دیتے ہیں۔بچے ظفر سے اپنی ہر بات شیئر کرتے ہیں اور فرمائشیں پوری کرواتے ہیں۔جس کی وجہ سے ظفر کی محبت بچوں کے دلوں میں مزید بڑھتی جا رہی ہے۔ظفر کی نبی کریم ﷺ اور اہل بیت سے محبت کا عالم یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تمام اولاد کو کنیت میں اپنا نام دینے کی بجائے حضرت علی کا نام دیا۔گھر میں بچوں کی دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینوی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ان کے بڑے بیٹے محمد علی اعوان نے دس برس کی عمر میں قرآن پاک ناظرہ مکمل کر لیا۔

اردو زبان سے منسلک رکھنے کیلئے میاں بیوی بچوں کے ساتھ اردو زبان میں بات

چیت کرتے ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو پاکستان کی ثقافت سے باعلم رکھنے کیلئے ہر سال چھٹیاں پاکستان گزارتے ہیں۔ گھر میں ٹی وی پر بھی زیادہ تر پاکستانی چینلز اور پروگرامز دیکھے جاتے ہیں۔ میاں بیوی دونوں کی خواہش ہے کہ اولاد کی تعلیم و تربیت بہترین انداز میں ہو اور وہ دنیا و آخرت دونوں میں سرخرو ہوں۔ آمین! ان کے بیٹے محمد علی اعوان ان کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

> ''ہمارے بابا ہم سے بہت محبت کرتے ہیں اور ہم سب بھی انہیں بہت پیار کرتے ہیں۔ وہ ہماری تمام تر ضروریات پوری کرتے ہیں۔ ہمارے بابا کو اپنے ملک اور اپنی زبان سے بے پناہ محبت ہے وہ ڈنمارک میں رہتے ہوئے بھی ہمارے ساتھ ہمیشہ اردو اور پنجابی میں بات کرتے ہیں۔[9]''

ظفر والدین اور بھائی بہنوں کے علاوہ اولاد کے لیئے بھی باعثِ فخر ہیں۔ بچے اپنے والد کی تعلیم پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں اس بات کا بھی فخر ہے کہ انہوں نے اپنی فیلڈ سے ہٹ کر کوکنگ کے شعبے میں بھی ترقی کی اور ایک کامیاب شیف بن کر ابھرے۔ بچے ظفر کے ساتھ اس قدر مانوس ہیں کہ انھیں اتنی چھوٹی سی عمر میں بھی اپنے والد کی کوششوں کا اندازہ ہے کہ وہ ان کو ہر آسائشِ زندگی دینے کے لیے کس قدر محنت کرتے ہیں۔ ظفر کو اپنے دیس اور زبان سے بے پناہ محبت ہے۔ وطن سے جدائی کا دکھ اور ظفر کی شاعری میں نمایاں ہے۔ وہ اپنے بچوں میں بھی حُب الوطنی کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے انہیں وطن کی زبان اور دیس کی ثقافت سے جوڑے ہوئے ہیں۔ گھر میں بچوں سے اردو اور پنجابی میں بات کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی ثقافت سے جڑے رہیں۔ والدین تو اولاد سے محبت کرتے ہی ہیں لیکن ظفر کے بچے بھی ان سے بہت محبت کرتے ہیں۔

شخصیت:

ظفر اعوان نیک دل اور بہترین شخصیت کے حامل انسان ہیں۔ والدین کی عمدہ تربیت کا اثر ہے کہ وہ تمام بنی نوع انسانوں کی فلاح کے خواہاں ہیں۔ ظفر کی ظاہری وضع قطع اور شخصیت کے بارے میں ان کی بھانجی شمع بیان کرتی ہیں:

''ماموں جان دراز قد، گندمی رنگت اور خوبصورت جسامت کے ساتھ سنجیدہ مزاج کے حامل ہیں۔ ان کی آنکھیں چمکدار اور روشن ہیں جو کہ ان کے صاف اور روشن کردار کی آئینہ دار ہیں۔ ۱۰؎ ''

ظفر اعوان مناسب جسامت کے حامل ہیں نہ زیادہ موٹے اور نہ ہی زیادہ دبلے ہیں۔ درمیانہ سا قد ہے اور رنگت بھی درمیانی سی ہے۔ آنکھیں کسی بھی انسان کی شخصیت کا آئینہ ہوتی ہیں ان کی شفاف آنکھیں ان کے کردار اور شخصیت کی صفائی کو ظاہر کرتی ہیں۔ ظفر اعوان سنجیدہ مگر خوش مزاج اور با اخلاق انسان ہیں۔ وہ انتہائی پرخلوص انسان ہیں اور خاندان میں سب سے چھوٹے ہونے کی وجہ سے سب کے لاڈلے رہے ہیں۔ سارے بہن بھائیوں میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے سب کیلئے باعث فخر ہیں۔

ظفر اپنے سب بھانجے بھانجھیوں اور بھتیجے بھتیجیوں کے پسندیدہ ہیں۔ وہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں، اس لئے اپنے تمام بھانجے بھانجھیوں اور بھتیجے بھتیجیوں سے ان کی دوستی باقی سب سے زیادہ ہے۔ ظفر ان کے ساتھ مل کر کرکٹ کھیلتے اور مزے کرتے ہیں۔ بھانجے (عثمان علی) ظفر کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

''جہاں تک میں انہیں جانتا ہوں، یہ ایک ایماندار، محنتی اور سیدھے سادے انسان ہیں۔ جب جب اور جہاں جہاں مجھے ان کی ضرورت پڑی

ہے میں نے ان کو وہاں وہاں اپنے ساتھ کھڑا پایا ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ یہ ایک مخلص انسان اور بہترین دوست ہیں۔ ۱۱؎''

ظفر کے سب بہن بھائی اِن سے بڑے ہیں۔اس لیے ظفر کے اپنے بہن بھائیوں کے بچوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہیں۔سب سے چھوٹے ہونے کی وجہ سے ان کی اور ظفر کی عمر میں بہت کم فرق ہے۔تعلیم ہو مالی معاملات ہوں یا مشاورت ہو ظفر ایک مخلص دوست کی طرح اپنے بھانجے، بھانجیوں اور بھتیجے بھتیجیوں کے شانہ بشانہ کھڑے نظر آتے ہیں۔ظفر اپنے ہر رشتے کو بہت خلوص سے نبھاتے ہیں اور ان سب کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں۔ظفر تعلیم کھیل اور باقی تمام معاملات میں اپنے بھانجوں بھتیجوں کی مدد کرتے ہیں اور جب ظفر پاکستان آتے ہیں تو ان سے فرمائش کر کے کھانے بنواتے ہیں اور وہ ظفر کی فرمائش پر مختلف کھانے بناتے بھی ہیں۔

ڈنمارک جیسے ترقی یافتہ ملک میں رہنے کے باوجود ظفر ہر قسم کے نشے اور دیگر آوارہ گردیوں سے پاک رہے ہیں۔ بچوں کے ساتھ دوستانہ تعلق قائم کیے ہوئے ہیں۔انہیں وقت دینے کے ساتھ ساتھ ان کی تمام ضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔ان کی بیٹی اشباہ علی اعوان ان کے بارے میں بیان کرتی ہیں:

''میرے بابا بہت اچھے ہیں، بابا ہمیں اچھی اچھی کہانیاں سناتے ہیں، ہمیں اپنی پوئمز بھی سناتے ہیں۔ وہ ہمارے لیۓ چاکلیٹ لے کر آتے ہیں۔میرے بابا دنیا کے سب سے اچھے بابا ہیں۔ ۱۲؎''

بیٹیاں باپ کے سر کا تاج ہوتی ہیں، گھر میں انہیں سے رونق ہوتی ہیں۔ظفر نے بھی اپنی بیٹیوں کو اپنے سر کا تاج بنا کر رکھا ہے۔ ویسے تو ساری اولاد ہی پیاری ہوتی ہے لیکن

بیٹیوں عائزہ اور اشباہ سے ظفر کو خاص انس ہے۔انہوں نے اپنی پنجابی شاعری کی کتاب" کنداں اُتے گھاہ"کا انتساب اپنی بیٹیوں عائزہ اور اشباہ کے نام لکھا۔اسی پیار کا اظہار کرتے ہوئے ان کی بیٹی اشباہ کہتی ہیں کہ ان کے والد دنیا کے سب سے اچھے بابا ہیں۔دن بھر کی مصروفیات کے باوجود وہ انہیں وقت دیتے ہیں اور ان کی فرمائشیں پوری کرتے ہیں۔انہیں کہانیاں سنا کر سلاتے ہیں اور گھر آتے ہیں ہوئے ان کی فرمائش کی تمام چیزیں بھی لاتے ہیں۔انھیں بھی اپنے والد سے بے پناہ محبت ہے۔

گھر والوں کے ساتھ ساتھ دوست احباب اور معاصرین اہل ادب نے بھی ان کی شاعری اور شخصیت کی تعریف کی ہے۔پردیس میں رہتے ہوئے بھی پاکستانی معاشرے پر گہری نظر رکھے ہوئے ہیں۔ظفر اعوان کو نئے دور کا شاعر قرار دیا گیا ہے۔ان کے دوست عدیل احمد آسی ان کے بارے میں کہتے ہیں:

> "ظفر ایک درد دل رکھنے والے انسان ہیں۔ان میں شعر کہنے کی بھرپور خداداد صلاحیت موجود ہے۔خیر کے کام میں عملی طور پر شامل ہونا ان کا خاصا ہے۔وہ وقت دور نہیں جب ظفر اعوان صاحب دنیائے ادب کے صف اول کے شعرا میں شامل ہوں گے۔[۱۳]"

اپنے خاندان کے ساتھ ساتھ دوست احباب کے حلقہ میں بھی ظفر کی اچھی عادات و خصائل اعلی اخلاق اور قابلیت کے چرچے ہیں۔غیر ملک میں بھی ضرورت مندوں کو دیکھ کر ان کا دل پسیج جاتا ہے اور ان کی مدد کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ہر قسم کی امداد کرتے ہیں چاہے مالی ہو یا جانی۔غیر ملک میں اتنی مصروفیات کے باوجود دوسروں کے لیے وقت نکالنا واقعی بہت بڑی بات ہے۔یہ نیکی اور ہمدردی ان کو اپنے آبا ؤ اجداد سے وراثت میں

ملی ہے۔عدیل ظفر کے انداز بیان اور فن شاعری کے بہت بڑے مداح ہیں ان کا خیال ہے کہ یہ صلاحیت انہیں اللہ تعالی کی طرف سے خاص عطاء ہوئی ہے۔ان کا اندازا ہے کہ ظفر مستقبل قریب میں نامور شعراء کی صف میں شامل ہوں گے۔اور دنیا ان کے فن کی معترف ہوگی۔

ظفر اعوان کی برادری:

ظفر اعوان کے آبا وَاجداد کا تعلق پاکستان پنجاب جموں بارڈر کے قریب واقع علاقے ''ہر پال'' سے ہے۔ان کی مادری زبان پنجابی ہے۔ان کا تعلق اعوان برادری سے ہے۔

تخلص:

ظفر اعوان کا اصل نام ظفر اقبال اعوان ہے۔ان کی اپنے نام اور برادری سے محبت تھی کہ انہوں نے اپنے نام ''ظفر'' اور ''اعوان'' کو ہی بطورِ تخلص استعمال کیا۔ان کے اساتذہ نے جب ان سے پوچھا کہ آپ اپنا تخلص کیا رکھیں گے تو انہوں جواب دیا کہ مجھے اپنا نام اور اپنی برادری بہت عزیز ہے لہٰذا میں اپنے نام ''ظفر'' اور ''اعوان'' کو ہی بطورِ تخلص استعمال کرنا چاہوں گا۔

عادات وخصائل:

ظفر اعوان نہ صرف اعلی پایہ کے شاعر ہیں بلکہ انسانیت سے بے لوث محبت کرنے والے انسان بھی ہیں۔ان کی زندگی میں مذہب کا واضح رنگ ان کی شاعری میں بھی جھلکتا ہے۔گزشتہ کئی برس سے یورپ میں مقیم ہونے کے باوجود انہوں نے خدا اور عشق رسول ﷺ کو فراموش نہیں کیا۔ان کی شاعری میں تصوف کا رنگ واضح ہے۔وہ حمدیہ اور نعتیہ کلام بھی لکھتے ہیں اور اس کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں اللہ اور نبی کریم ﷺ کی لو

لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی شاعری ان کے صاف اور پُر گداز دل کی عکاسی کرتی ہے۔ظفر نفاست پسند انسان ہیں۔ وہ سنجیدہ مزاج لیکن خوش اخلاق شخصیت ہیں۔آپ اہل خانہ کے ساتھ مشفقانہ رویہ رکھتے ہیں۔ آپ اپنی تمام ادبی و پیشہ ورانہ مصروفیات اور اہل خانہ کے درمیان توازن برقرار رکھے ہوئے ہیں۔بیگم ظفر ہوں یا بچے، کسی کو بھی ظفر کی مصروفیت سے شکایت نہیں۔ظفر اعوان کے نزدیک ان کی فطرت کا خاصہ غیر مستقل مزاجی ہے۔صرف شاعری ایک ایسا پہلو ہے جس میں وہ حد سے زیادہ مستقل ہیں۔ان کو اپنا فن اور اہل خانہ دونوں ہی بے حد عزیز ہیں۔اہل خانہ سے ان کی محبت کا اندازہ ان کی کتب کے انتسابات سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے ان کے نام کیے ہیں۔

''آرزوئے سحر'' ان کا پہلا فن پارہ انہوں نے اپنے بڑے بھائی اظہر حسین سے منسوب کیا۔تیسرا شعری مجموعہ ''عمراں دے کھوہ'' کا انتساب اپنے والد محترم حاجی بشیر احمد اعوان شہید سے منسوب کیا۔اپنی چوتھی تصنیف ''مہاجر پرندے'' انہوں نے اپنی والدہ محترمہ جنہیں وہ اماں جان کہہ کے پکارتے ہیں سے منسوب کیا۔اپنی بیٹیوں عائزہ علی اعوان اور اشباہ علی اعوان کے نام اپنی ''کندھاں اتے گھاہ'' کا انتساب لکھا۔ظفر کے انتسابات ان کی اپنے والدین اور اہل خانہ سے محبت کی عکاسی کرتے ہیں۔حال ہی میں اپنا ساتواں پنجابی کا مجموعہ کلام'' واشنا'' انہوں نے اپنی زوجہ محترمہ سمیرا ظفر سے منسوب کیا۔اپنے اہل خانہ کے ساتھ ساتھ ظفر نے پردیسیوں، اقلیتوں، مہاجروں اور مظلوموں کے نام بھی انتسابات لکھے کیونکہ وہ درد دل رکھنے والے انسان ہیں۔اور ان کے ساتھ بھی محبت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ آپکا دوسرا پنجابی مجموعہ'' زیویں سدھراں دی'' انہوں نے پردیسیوں سے منسوب کیا۔'' دھیمی اذانیں'' غزلیات کا مجموعہ انہوں نے اقلیتوں اور مہاجروں کے نام لکھا۔

ظفر اعوان شاعری کے علاوہ کرکٹ کا بھی ذوق رکھتے ہیں- وہ یونیورسٹی آف سینٹرل پنجاب، لاہور کی ٹیم کے کھلاڑی رہ چکے ہیں اور ابھی بھی کوپن ہیگن کرکٹ کلب ڈنمارک میں مقامی کرکٹ ٹیم کے کھلاڑی ہیں۔ظفر اعوان ویسے تو مغربی ہوٹل میں شیف ہیں لیکن آج بھی سرسوں کا ساگ، بریانی اور کریلے گوشت جیسی دیسی غذائیں ان کی مرغوب ہیں۔ انہیں شلوار قمیض زیب تن کرنا پسند ہے۔مرزا غالب ان کے پسندیدہ شاعر ہیں۔انہیں غزل سننا اچھا لگتا ہے۔غلام علی خاں اور جگجیت سنگھ کی آواز کے شیدائی ہیں۔

ظفر اعوان بے ضرر اور اپنے کام میں مشغول رہنے والے انسان ہیں۔ولی خاندان سے تعلق ہونے وجہ سے ولایت اور درویشی ان کے کردار سے جھلکتی ہے۔ظفر کے دوست ان کی زندگی کا اہم حصہ ہیں۔ ان کے ہر خوشی وغم کے موقع پر ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ دوستوں کے ساتھ گزارے ہوئے وقت کو انمول قرار دیتے ہیں۔ظفر اعوان کے بارے میں ان کے دوست محمد ایوب صابر کہتے ہیں:

> ''ان سے ملاقات ہو تو ان کی شخصیت کا دھیمہ لہجہ اور وضع داری عیاں ہوتی ہے۔ اپنے عہد کے نامور شعرا کے ساتھ گہرے روابط ہونے کے باوجود ان میں انکساری کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ ۱۴؎''

ظفر سے جو بھی ملتا ہے وہ ان کے اچھے اخلاق کا معترف ہو جاتا ہے۔ان کے جتنے بھی احباب سے ان کے بارے میں رائے لی گئی سب نے ہی ان کی شخصیت کے گن گائے۔ایک ہی ملاقات میں ان کا اچھا رویہ سامنے والے کو متاثر کر دیتا ہے۔ان کے دوست اور ہم عصر شاعر ایوب صابر نے بھی ان کے دھیمے پن اور عاجزی کی تعریف کی ہے۔اکثر لوگ تھوڑی سی شہرت ملنے پر چار بڑے لوگوں سے سلام دعا بننے پر عام لوگوں

سے منہ موڑ لیتے ہیں۔اوران کے انداز ہی بدل جاتے ہیں۔لیکن ظفر کے نامور شعراء کے ساتھ تعلقات ہونے کے باوجود ادب اور شاعری کے میدان میں اتنی کم عمری میں اس قدر نام ومرتبہ حاصل کرنے کے باوجود کوئی غرور گھمنڈ نہیں آیا۔انہوں نے اپنی خاندانی شرافت، عاجزی وانکساری اور درویشی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

بیرون خانہ تعلقات:

ظفراعوان سادہ لوح لیکن صلاحیتوں سے بھرپور شخصیت ہیں۔دوستوں میں ان کی جان بستی ہے۔گھر پہ اور باہر دوستوں کی محافل لگانا ان کا مشغلہ ہے۔ان کے مزاج کی سنجیدگی اور خاموشی بھی لوگوں میں ان کی مقبولیت میں حائل نہیں ہوئی۔ان کے دوستوں میں محمد اقبال اختر، نقاش علی بلوچ، اظہر فراغ، آصف علوی، محمد ایوب صابر، عدیل احمد آسی، ڈاکٹر یونس امین، اقبال راہی، اسلم کولسری، عطاالحق قاسمی اور حسن عباسی جیسے نامور ادیب اور شعرا شامل ہیں۔ان کے دوستوں میں ویسے تو تقریباً ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل ہیں لیکن ادبی ذوق رکھنے والے ان کے دل کے زیادہ قریب ہیں۔ظفراعوان اپنے حسن اخلاق اور تدبر کی وجہ سے ہر عمر کے لوگوں میں گھل مل جاتے ہیں۔ان کے دوست احباب ان سے بہت متاثر ہیں اور ان کی ترقی کے خواہاں ہیں۔ان کے دوست نقاش علی بلوچ نے ظفراعوان کے اعزاز میں پوری نظم لکھی ہے جس کا ایک شعر کچھ اس طرح ہے:

سر زمینِ سبز کے شاعر ترا اعزاز ہے
تو دیارِ غیر میں پنجاب کی آواز ہے[۱۵]

غیر ملک میں بھی اُردو زبان وثقافت کی ترقی کے لیے ان کی کوششیں دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ یہ یورپ میں پنجاب کی آواز بن کر اُبھرے ہیں۔یہ اصل معنوں میں یورپ میں پاکستان

کے سفیر ہیں۔ان کے اشعاراور مادری زبان میں ان کا کلام ان کی وطن سے محبت کی روشن دلیل ہیں۔ان کے اشعار دنیا بھر میں پنجاب کا نام روشن کرر ہے ہیں اور پنجاب کے ساتھ ساتھ ملک پاکستان کی بھی عظمت میں اضافہ کرر ہے ہیں۔ان کی شاعری میں عاشق ومعشوق کے موضوعات بھی ملتے ہیں اور ہجرتوں کا دکھ،وطن سے دوری، اپنوں سے ہجر کا کرب بھی ملتا ہے۔ظفر نے اپنی شاعری کے ذریعے بہترین انداز میں لوگوں کے دل کی کیفیات کی ترجمانی کی ہے۔سب دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ یہ تو ابھی آغاز ہے ظفر اپنے فن میں اعلی مقام ومرتبہ حاصل کرنے والے ہیں۔

انسانی ہمدردی کا جذبہ:

کسی نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ اچھا شاعر بننے کیلئے پہلے اچھا انسان ہونا بہت ضروری ہے اور ظفر اس بات پر سو فیصد پورے اترتے ہیں۔وہ محبت اور دوستی جیسے انمول جذبوں سے لبریز ایک اچھے اور خوبصورت انسان ہیں۔ان کے دوست رمضان رفیق کہتے ہیں:

''اس کی شاعری عام انسان پر گزرنے والی خاص کیفیات کی ترجمان ہے۔میری خواہش ہے کہ وہ اسی طرح محبتیں بانٹتا رہے۔دوستیاں نبھاتا رہے۔آمین۔۔۔۔۱۶ ''

ظفر مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتے ہیں، انہوں نے اپنی زندگی میں بہت اتار چڑھاو دیکھے۔حساس طبیعت ہونے کی وجہ سے انہوں نے ان حالات کا گہرائی سے جائزہ لیا اور اپنی کیفیات سے عام لوگوں کی مشکلات اور کیفیات بھی سمجھا۔ان کے دوست رمضان رفیق انہیں عام لوگوں کے احساسات کا ترجمان کہتے ہیں۔ان لوگوں کے لیے احساس، خلوص اور محبت کا جذبہ دیکھ کر ہمیشہ ان کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے کہ وہ صدا ایسے ہی خوشیاں بانٹتے رہیں محبتیں دیتے رہیں اور سمیٹتے رہیں۔ظفر جب لاہور پڑھتے تھے تو ان کے گاؤں سے جو

لڑکے نیا داخلہ لیتے تو زمانہ طالبعلمی میں بھی ان لڑکوں کی مالی امداد بھی کرتے اور جب تک کے ان کا مستقل بندوبست نہ ہو جاتا رہائش بھی دیتے۔ یہی سلسلہ ابھی تک جاری ہے دور دور تک جاننے والوں میں کوئی بھی یورپ جائے تو مستقل ٹھکانہ ملنے تک ظفر کا ہی مہمان ٹھہرتا ہے۔ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود دیارِ غیر میں اپنے ہم وطنوں کی مدد کرتے ہیں۔

ظفر اعوان کا شعری سفر اور ادبی خدمات:

ظفر کے مزاج کی حساسیت ان کے شعر کہنے کا سبب بنی۔ ساتویں جماعت کے طالبعلم تھے جب پہلا شعر کہا۔ اس کے بعد بھی اشعار کہتے رہے لیکن وہ اپنے اشعار کسی کو سناتے نہ دکھاتے۔ اس کی بڑی وجہ گھر کا مذہبی ماحول تھا جہاں شاعری کو آوارگی کے مترادف جانا جاتا تھا۔ ظفر جب دسویں جماعت میں پہنچے تو دوست احباب اور ہم جماعت ساتھیوں کو اشعار سنانے شروع کیئے۔ گھر سے داد ملنے کی کوئی امید نہ تھی کیونکہ اپنے خاندان کے پہلے شاعر تھے، البتہ باہر سے داد ملی تو حوصلہ افزائی ہوئی۔ ایف ایس سی کے دوران اسلامیہ کالج میں دوستوں کے ساتھ ساتھ اساتذہ کو بھی اشعار اور نظمیں، غزلیں وغیرہ سنا کر داد وصول کرتے رہے۔ ظفر کو شاعری کی خداداد صلاحیت حاصل ہے۔ اس لیے ان کا باقاعدہ کوئی استاد نہیں ہے وہ اشعار کی غلطیاں نشاندہی کرنے کے بعد خود ہی ٹھیک کرتے اور اس کے لیے سنیئر شعرا کا کلام پڑھتے۔ البتہ علمِ عروض کیلئے انہوں نے حسن عباسی صاحب سے رہنمائی حاصل کی جو کہ نامور شاعر اور نستعلیق پبلیکیشنز کے چیف ایگزیکٹیو ہیں۔ یہ ان کا تقریباً متوازن شعر تھا جس کے بعد انہیں یقین ہوا کہ میں اچھا شاعر بن سکتا ہوں:

ترا غم جہاں نہ ہوا کرے
وہاں کہکشاں نہ ہوا کرے [۱]

ظفر کی اوَلین دور کی شاعری میں غم جاناں کا بھی ذکر پایا جاتا ہے۔محبوب کا غم عاشق کی زندگی کا اثاثہ ہوتا ہے۔محبوب نہ بھی ملے لیکن اگر اس کا غم ہی نصیب ہوجائے تو وہ بھی عاشق کی زندگی میں رونق کا ساں ہوتے ہیں۔ظفر کہتے ہیں کہ غم تو عاشق کی زندگی میں کہکشاں کی مانند ہوتے ہیں لیکن عشق کے امتحاں اتنے کٹھن ہیں کہ یہ زندگی ان مراحل سے گزرنے کے لیے نا کافی ہے۔عشق کے امتحانات کسی دوا سے نہیں بلکہ دعا سے ضرور کٹ سکتے ہیں۔

ظفر کی شاعری تب پروان چڑھی جب وہ یونیورسٹی آف سینٹرل پنجاب میں داخل ہوئے اور ہاسٹل میں روم میٹ اور دوست کی شکل میں کامران ملک مل گئے۔کامران گورنمنٹ کالج میں پڑھتے تھےاور بہت زیادہ ادبی ذوق رکھتے تھے۔ان کی توسط سے مزید ادبی شخصیات سے مراسم پروان چڑھے۔ظفر نے اپنی نظموں کا مجموعہ”آرزوئے سحر“ انہی کی صحبت میں مکمل کیا جو کہ 2004ء میں شائع ہوا۔رفتہ رفتہ گھر میں بھی ان کے ادبی شعور کی پذیرائی ہونے لگی۔ اس کے بعد انہوں ہرطرح کے حالات میں لکھنا جاری رکھا۔ 2017ء میں ان کا دوسرا مجموعہ کلام”زیویں سدھراں دی“منظرِ عام پرآیا اور اسے دریچہ اوسلو ایوارڈ ملا۔ظفر نے ترقی کے زینے بہت تیزی سے طے کیۓ اور ایک ہی سال 2019ء میں ان کے پنجابی کلام کے دو مجموے”عمراں دے کھوہ اور کنداں اُتے گھاء“ کے علاوہ اردو غزلیات کی شاہکار تصنیف”مہاجر پرندے“بھی شائع ہوئی۔”کنداں اُتے گھاء“کو نہ صرف ادبی حلقوں میں خوب پذیرائی حاصل ہوئی بلکہ علی ارشد میر ایوارڈ، دل دریا پاکستان ایوارڈ، نقیبی کاروان ادب ایوارڈ، سوچ ایوارڈ، کارِ خیر پاکستان ایوارڈ اور سائیں حیات پسروری ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ان کی تصنیف”مہاجر پرندے“کو بھی بشیر رحمانی ادبی

ایوارڈ اور علامہ اقبال ایوارڈ حاصل ہوئے۔ اقلیتوں اور بے کس پردیسیوں کے نام" دھیمی اذانیں" 2020ء میں شائع ہوئی اور اسے" بیلی ایوارڈ" سے نوازا گیا۔ حال ہی میں مارچ 2022ء میں پنجابی جیسی میٹھی زبان میں اپنی شاعری کی چاشنی گھول کر" واشنا" کے نام سے شعری مجموعہ متعارف کروایا۔

ادبی تنظیم سازی:

ظفر اعوان نے اپنے ادبی دوستوں کے ساتھ مل کر ڈنمارک میں اردو اور پنجابی زبان کے فروغ کیلئے ایک ادبی وثقافتی تنظیم" بیلی" 2017ء میں تشکیل دی۔ بیلی ظفر اعوان کے نام سے رجسٹر ہوئی اور آپ اس کے بانی رکن ہیں اور صدر کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ بیلی کا بنیادی مقصد بیرونِ ملک بلخصوص ڈنمارک میں پاکستان کی ثقافتی و ادبی روایات کو فروغ دینا ہے اور اس کی ترویج نئی نسلوں تک کرنا ہے۔ بیلی کے زیرِ سایہ ابھی تک بے شمار مشاعرے، کانفرنسز اور سیمینارز کا اہتمام کیا جا چکا ہے جن میں دنیا بھر سے نامور ادبا اور شعرا شرکت کر چکے ہیں۔

ظفر اعوان کی مشاعروں میں شرکت:

ظفر اپنے کالج اور یونیورسٹی کے احباب اور اساتذہ کو اپنی شاعری سے مسرور کرتے رہتے تھے لیکن شروع شروع میں مشاعروں سے اجتناب کرتے تھے۔ 2004ء میں جب ان کی پہلی کتاب" آرزوئے سحر" کے نام سے چھپ کر سامنے آئی تو اسکے بعد پہلا باقاعدہ مشاعرہ 2015ء میں لاہور" کاہنہ نو" میں پڑھا جو ظفر اعوان اور ان کے بھائی ارشد اعوان کے اعزاز میں تھا۔" ایک شام ظفر اعوان اور ارشد اعوان کے نام" سے مشاعرے کا اہتمام

مرحوم افضل راہی صاحب نے کیا تھا۔ یہ مشاعرہ لاہور کے ادبی حلقوں میں ان کی پہچان بنا اس میں ان کے اردو اور پنجابی کلام کو بہت سراہا گیا۔"کاہنہ نو" مشاعرے میں پسند کیا گیا کلام درج ذیل ہے:

اب ہیں بھٹکتے خار نگر میں
چھوڑ کے جو گھر بار گئے [۱۸]

ہر نو جوان کا ملک پاکستان میں یہ خواب ضرور ہوتا ہے کہ وہ یورپ جائے وہاں عالی شان زندگی بسر کرے۔ لیکن جب یہ سب حاصل ہو جاتا ہے تو لگتا ہے سب کچھ پا کر بھی کچھ ادھورا ہے۔ کیوں کہ اپنا دیس اس کی اپنائیت وہاں نہیں ملتی۔ وطن میں اپنا چھوٹا سا گھر چھوڑ کر اب پردیس میں بھٹکتے پردیسی وطن کی گلیوں، کھیت اور حتیٰ کہ وطن کے ویرانوں کو بھی یاد کرتے ہیں کیونکہ پردیس کانٹوں کی سیج ہوتی ہے جس پر انسان کبھی پرسکون نہیں ہو سکتا اور اپنا گھر تو جنت کا روپ ہے چاہے وہ جھونپڑی ہی کیوں نہ ہو۔ ان جھونپڑیوں کی قدر پردیسی ہی جان سکتے ہیں۔

اندرونِ ملک مشاعرے:

2015ء کے بعد ظفر نے باقاعدہ مشاعروں میں شرکت کرنا شروع کی۔ مختلف شہروں میں منعقد ہونے والے مشاعروں اور ادبی نشستوں میں حصہ لیتے رہے۔ 2019ء میں گکھڑ گوجرانوالہ مشاعرہ زیرِ اہتمام دستک گکھڑ "ایک شام ظفر اعوان کے نام"، حافظ آباد مشاعرہ زیرِ اہتمام میٹھے بول ادبی تنظیم حافظ آباد، گجرات مشاعرہ زیرِ اہتمام دل دریا پاکستان میں بطور مہمانِ خصوصی، سیالکوٹ مشاعرہ زیرِ اہتمام۔ سوچ

ادبی تنظیم" ایک شام ظفر اعوان کے نام"، سلانکے کنگرہ روڈ مشاعرہ زیرِ اہتمام سکالرز سکول سسٹم" ایک شام ظفر اعوان کے نام"، الحمرا ادبی ہال مشاعرہ زیرِ اہتمام الحمرا ادبی بیٹھک" ایک شام ظفر اعوان کے نام"، اکادمی ادبیات پاکستان مشاعرہ" ایک شام ظفر اعوان کے نام زیرِ اہتمام اکادمی ادبیات لاہور اور پنجاب یونیورسٹی مشاعرہ زیرِ اہتمام پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج میں بطور مہمان خصوصی شمولیت کی اور خوب داد سمیٹی۔ یوں ان مشاعروں کی بدولت سے ظفر کی شاعری میں مزید نکھار آتا گیا۔

بیرونِ ملک مشاعرے:

ظفر اعوان نے سپین، ڈنمارک، فرانس، ناروے اور اٹلی کے عالمی مشاعروں میں بطور مہمانِ خصوصی شرکت سے پاکستان کا نام روشن کیا۔ چند اہم مشاعروں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

سپین مشاعرے:

2015ءکو بارسلونا سپین میں پاکستان پریس کلب نے" ایک شام ظفر اعوان کے نام" سے مشاعرے کا اہتمام کیا۔ ظفر نے بہت سے اعلیٰ کلام سامعین کی نذر کیے لیکن ان کے مجموعہ کلام مہاجر پرندے سے ماں کی عظمت بیان کرتی غزل کو بہت زیادہ پسند کیا گیا جس کا ایک شعر کچھ اس طرح سے ہے:

دوزخوں کی آگ یوں دور ہم سے ہوگئی
بخش دی بہشت جو رب نے ماں کے روپ میں [۱۹]

ماں کی موجودگی، ماں کی گود اس کی نرمی گرمی ایسی خوشگوار ہوتی ہے۔ گویا سردی کے

موسم میں ہلکی ہلکی دھوپ نکل آئی ہواور وہ دھوپ بدن کو حرارت، روشنی، ٹھنڈک سب ساتھ دے رہی ہو۔ خدا نے ماں کے قدموں میں جنت بخشی اور ہمیں یہ سنہری موقع عطاء کیا کہ ہم ان کی خدمت سے اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچا کر بہشت کی ٹھنڈک تک پہنچا سکیں۔ ماں کی دعا خدا کے کن کا دوسرا روپ ہے۔ ماں اپنی دعاوں سے بچوں کے لیے خدا سے سب مانگ لیتی ہے۔ اور سب کچھ منوا لیتی ہے۔ خدا ہم سب کے سروں پر ہماری ماوں کا سایہ ہمیشہ سلامت رکھے۔ آمین۔

2016ء میں بارسلونا سپین میں ہی قلم قافلہ بارسلونا کے زیرِ اہتمام" اِک شام ظفر اعوان اور طاہر عدیل کے نام" مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ جس میں سید وصی شاہ، سعد اللہ شاہ، سید سلیمان گیلانی، خالد مسعود صاحب، تجمل کلیم، افضل ساحر، انجم سلیمی صاحب نے بھی خصوصی شرکت کی۔ اس مشاعرہ میں ان کی تصنیف دھیمی اذانیں سے جس غزل کو بہت سراہا گیا۔ اس کا سب سے پسندیدہ شعر درج ذیل ہے:

لگا کر ٹیگ ہم پر مسلکوں کا
ہمیں ہم سے لڑایا جا چکا ہے[۲۰]

ہم مسلمان ہیں ایک قوم ہیں، ایک جیسے انسان لیکن ہمیں فرقہ بندیوں میں اور مسلکوں میں تقسیم کر کے غیر مسلموں نے ہمیں ہمیشہ آپس میں ہی لڑوا کر اپنا مقصد حاصل کیا ہے۔ ہمیں آپس میں تقسیم کرنے کے لیے انھوں نے ہم میں سے ہی کچھ لوگوں کو ہمارے خلاف استعمال کیا۔ کچھ کو مراعات بخشیں اور باقیوں سے نوالے تک چھین لیے۔ ہمیں ہماری آپسی لڑائیوں میں اور فرقہ بندیوں میں مشغول کر کے کمزور کیا جا رہا ہے تاکہ جلد یا بدیر ہمارا اتحاد بالکل ختم ہو جائے اور غیر مسلم قوتیں ہم پر مسلط ہو جائیں۔ پاکستان سفارت خانہ

بارسلونا سپین کے زیر اہتمام 2018ء میں منعقد ہونے والے مشاعرہ میں بھی بطور مہمانِ خصوصی شامل ہوئے۔

ڈنمارک مشاعرہ:

بیلی مشاعرہ 2017ء کوپن ہیگن ڈنمارک میں مہمان خصوصی کے طور پر شرکت کی۔ اس مشاعرہ کا اہتمام ادبی و ثقافتی تنظیم ”بیلی“ ڈنمارک نے کیا۔ اس مشاعرہ میں ظفر اعوان نے جو غزل سامعین کی نذر اس کا ایک شعر کچھ یوں ہے:

جانتے ہو مرا مزاج ظفر
سہہ نہ پاؤ گے دشمنی میری [۲۱]

ظفر بسا اوقات اپنی اچھائی، عاجزی اور سادگی سے تنگ آئے ہوئے بھی دکھائی دیتے ہیں کیونکہ اکثر لوگ اچھے لوگوں کی اچھائی کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور ان کے اس رویے کے خلاف لب کشائی کی جائے تو بولنے والا ہی لوگوں کی نظروں میں بُرا اور کم ظرف مانا جاتا ہے۔ لیکن ظفر ہمت سے کام لیتے ہوئے اچھائی کی راہ پر گامزن ہے اور اپنے فن اور شاعری کے ذریعے لوگوں کے ذہنوں کو ان حالات سے آگاہ کرنے میں مگن ہے۔ ان کی شاعری کا انداز بیک وقت عاجزانہ اور پرُ شکوہ ہوتا ہے تو ساتھ ہی ساتھ وہ ہمت و جرات کا پیغام بھی دیے جاتے ہیں۔ بیلی مشاعرہ 2018ء کوپن ہیگن ڈنمارک میں ہی بطور مہمان خصوصی شرکت کر کے پاکستان کی نمائندگی کی۔ اس مشاعرے کا اہتمام بھی ادبی و ثقافتی تنظیم ”بیلی“ ڈنمارک کے زیر سایہ کیا گیا۔

ناروے مشاعرہ:

2017ء میں دریچہ ادبی تنظیم اوسلو ناروے نے مشاعرے کا اہتمام کیا اور ظفر

اعوان کو بطور مہمانِ خصوصی مدعو کیا گیا۔ سامعین کی پرزور فرمائش پر اپنی تصنیف مہاجر پرندے سے دل سوز غزل ان کے گوش گزار کی اس کا سب سے مشہور شعر ملاحظہ کیجیے:

کشتیاں جو ڈبو رہے ہیں ظفر
سب انہیں ناخدا سمجھ بیٹھے [۲۲]

پردیس میں انسان اپنے آپ کو بہت بے بس اور اکیلا محسوس کرتا ہے۔ وہاں اکثر لوگ پردیسیوں کی معصومیت سے فائدہ اٹھا کر انہیں دھوکہ دے جاتے ہیں۔ معصوم لوگ جو غیر ملک میں ہر چیز سے ناواقف انجان ہوتے ہیں وہ دھوکے بازوں کو بھی مددگار سمجھ کر کئی بار ان کے ہاتھوں لٹتے ہیں۔ ظفر کی شاعری میں ایسے ہی لوگوں کے دکھ درد کی ترجمانی ہے۔ دوسری طرف ان کے ہم وطن ساتھی سمجھتے ہیں کہ یہ تو عیش و نشاط میں گم ہیں اور ہم جیسے غریبوں سے رابطہ کرنے سے بھی گریزاں ہیں۔

فرانس مشاعرہ:

فرانس کے شہر پیرس میں 2018ء میں بزمِ سخن پیرس نے اردو ادب اور شاعری کے فروغ کے لیے مشاعرے کا اہتمام کیا جس میں ظفر اعوان کو مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کیا گیا۔ ظفر نے اپنے اشعار و سخن سے محفل کو رونق بخشی:

اک تیری تصویر بنا کر رنگوں کے غم سمیٹے ہیں
شہ پاروں کے خالق اکثر بے رنگ میں نے دیکھے ہیں [۲۳]

بڑے بڑے فنکار جو اپنے کلام سے لوگوں کی زندگی کو رنگ و رونق بخشتے ہیں خود اندر سے اکثر بے رنگ ہوتے ہیں۔ زمانے کی ترقی حاصل کرنے کے باوجود ان کے ماضی میں کی کوئی کمی کوئی کسک ضرور ہوتی ہے۔ دوسروں کو نوازنے والے ہاتھ اکثر خود اس نعمت سے

محروم ہوتے ہیں۔اس کی سب سے بڑی مثال والدین ہیں جو کہ اپنی اولاد کو ہر وہ نعمت ہر وہ خوشی دیتے ہیں جس کی کمی انہوں نے اپنی زندگی میں شدت سے محسوس کی ہوتی ہے۔اپنی غربت کے باوجود مشقت کر کے اولاد کو پڑھا لکھا کر بڑے عہدوں پر پہنچا کر خود اکثر انہیں مشکل حالات میں اپنی زندگی گزار دیتے ہیں۔

اٹلی مشاعرے:

اٹلی میں 2018ء میں سر ساہت سنگم سبا کی توسط سے مشاعرے کا انعقاد کیا گیا جس میں ظفر اعوان نے بطور مہمان خصوصی شرکت فرمائی۔اس کے علاوہ 2019ء میں پاک آواز اٹلی نے بطور مہمان خصوصی مشاعرے میں شرکت کی دعوت دی اور ظفر اعوان نے شرکت کر کے اپنے اشعار سنا کر سامعین پر سحر طاری کر دیا۔

ان مشاعروں کے علاوہ بھی سینکڑوں اندرون و بیرون ملک مشاعروں میں شرکت کر کے نامور شعراء جیسے عباس تابش صاحب، انور مسعود صاحب، سید وصی شاہ، سعد اللہ شاہ، سید سلیمان گیلانی، خالد مسعود صاحب، تجمل کلیم، افضل ساحر، انجم سلیمی صاحب، ڈاکٹر دانش، باقی احمد پوری، میجر شہزاد نیر، شاہد ذکی، نقاش علی بلوچ اور حسن عباسی اور بہت سارے نامور شعرا اور شاعرات کے ساتھ کلام پڑھ چکے ہیں۔

اندرونِ اور بیرونِ ملک انٹرویوز:

ظفر اعوان سے ملک پاکستان میں بہت سے نجی ٹی وی چینلز ایس بی آئی نیوز لاہور، اردو پوائنٹ لاہور پاکستان، وجدان ٹی وی لاہور پاکستان، لاہور ٹی وی لاہور پاکستان، بیٹھک آن لائن، ساہیوال پاکستان وغیرہ کے علاوہ یورپ کے معروف ریڈیو اور ٹیلی ویژن چینلز جیسے کہ ریڈیو چڑھدی کلا کیلیفورنیا، امریکہ، ہم وطن ریڈیو ڈنمارک، ریڈیو سٹار

ڈنمارک، دوآبہ ریڈیو انڈیا، ریڈیو پاکسلونا بارسلونا سپین، بی ایس این نیوز بارسلونا، بیلجیم ٹائمز، زیڈ ڈی کے وائس آف پیس ڈنمارک، جذبہ نیوز لندن، یو کے، اردو چینل سٹاک ہوم، سویڈن، نئی دنیا ٹی وی ڈنمارک، سانجھا ویڑھا ٹی وی جرمنی نے انٹرویوز ریکارڈ کیے۔ ان کے علاوہ بھی ظفر سینکڑوں ملکی وغیر ملکی ادبی نشستوں میں شرکت کر چکے ہیں۔

ظفر اعوان کی شخصیت کو جاننے کے لیے اس باب میں ان کے احوال و آثار کا تفصیلی احاطہ کیا گیا ہے۔ظفر اعوان کا تعلق پاکستان کے صوبہ پنجاب کے جموں بارڈر کے قریب واقع گاوں" ہر پال" سے ہے۔ان کے آباواجداد"ولی خاندان" کے نام سے مشہور ہیں اور کھیتی باڑی کے پیشہ سے منسلک تھے۔ظفر یکم جنوری 1982ءکو سیالکوٹ کے گاوں ہر پال میں پیدا ہوئے۔ظفر اپنے دس بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں اس لیے سب سے زیادہ لاڈلے بھی ہیں۔ظفر کی عمر ابھی مشکل سے بیس سال تھی کہ ان کے والد حاجی بشیر احمد صاحب پاک بھارت بارڈر کے قریب سے انڈین آرمی کی طرف سے کی جانے والی فائرنگ کے نتیجے میں شہید ہو گئے۔والد کی وفات کے بعد بڑے بہن، بھائیوں اور والدہ نے انہیں بڑی شفقت سے پالا۔بڑے بھائی اظہر حسین نے ہی ظفر کا نام ظفر اقبال اعوان رکھا تھا۔

ان کی والدہ ایک نیک اور پرہیزگار خاتون ہیں انہوں اپنی اولاد کی تربیت میں دینی پہلو پر خاص توجہ دی۔ظفر نے اپنی دینی تعلیم و تربیت گھر پہ ہی حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم سیالکوٹ سے حاصل کی اور گورنمنٹ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ سے ایف ایس ای کی اور بی ایس کمپیوٹر سائنس یونیورسٹی آف سینٹرل پنجاب، لاہور سے کیا اس کے بعد اعلی تعلیم کے لئے سویڈن گئے۔ وہاں سے ایم ایس سی الیکٹریکل انجنیئر نگ کی ڈگری حاصل کی۔ پاکستان میں روزگار کے مناسب مواقع نہ ملنے کی وجہ سے یورپ کا رخ کیا اور وہاں ہی مستقل مقیم ہو گئے۔ظفر نے جب یورپ کا رُخ کیا تو پردیس نے انہیں اپنے انوکھے رنگ

دکھائے۔ اچھی ڈگری ہونے کہ باوجود زبان مختلف ہونے کی وجہ سے ظفر کو اچھی نوکری نہ مل سکی۔ ان حالات میں ظفر نے بطور باورچی کام کا آغاز کیا۔ اس کام میں آمدنی کہ ساتھ ساتھ ظفر کو شاعری کے لیے وقت بھی مل جاتا تھا لہذا ظفر نے اسے اپنے لیے غنیمت جانا اور اسی وجہ سے ظفر نے کوکنگ کو مستقل بنیادوں پر بطور ملازمت اپنا لیا۔ ظفر اچھے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین شیف بھی ہیں وہ یورپ کے مشہور ہوٹل میں گزشتہ چھ سال سے بطور شیف ملازمت کر رہے ہیں۔ یورپ میں رہنے اور وہاں کے ہوٹل میں کام کرنے کہ باوجود ظفر کو دیسی کھانے ہی پسند ہیں۔ وہ ساگ، لسی اور بیریانی کے شیدائی ہیں۔

ظفر اپنے خاندان کے سب سے زیادہ پڑھے لکھے اور ہونہار سپوت ہونے کے ساتھ ساتھ خاندان کے سب سے پہلے شاعر بھی ہیں۔ وہ اپنے خاندان کا فخر ہیں۔ ظفر کی شاگردی میں ان کے بھائیوں نے بھی شاعری کی دنیا میں قدم رکھا اور آج وہ بھی اس شعبہ میں ترقی کی منازل پر گامزن ہیں۔ ارشد اعوان اور سفارش علی بھی ادبی دنیا میں قدم رکھ چکے ہیں لیکن وہ صرف پنجابی زبان میں شاعری کرتے ہیں جبکہ ظفر پنجابی کے علاوہ اردو شاعری میں بھی کمال مہارت رکھتے ہیں۔ شاعری کے علاوہ ظفر کرکٹ میں بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔

ظفر ایک انتہائی بااخلاق اور خوش مزاج انسان ہیں۔ ہمیشہ لوگوں کے کام آتے ہیں۔ یورپ جیسے ملک میں جہاں کوئی بلا مقصد کسی کا حال تک نہیں پوچھتا ظفر اپنے گاؤں سے آنے والے پردیسیوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ جب تک کہ ان کی رہائش اور روزگار کا کوئی مناسب بندوبست نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ظفر کو دو بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں ہر لحاظ سے خوش اور مطمئن ہیں لیکن انہیں صرف وطن سے جدائی کا غم ہے۔ یہی دُکھ ان کی شاعری میں نمایاں نظر آتا ہے۔ ظفر کی شاعری میں عام انسان کے روزمرہ کے دکھوں کی عکاسی بہت زیادہ ہے۔ ان کی شاعری میں کہیں وطن سے دوری کا دُکھ

ہے تو کہیں اقلیتوں کے غموں کا عکس۔ظفر اعوان کے ابھی تک سات شعری مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں جن میں آرزوئے سحر، مہاجر پرندے اور دھیمی اذانیں ان کی اردو شاعری کی تصانیف ہیں اور کندھاں اُتے گھاہ، عمراں دے کھوہ، زیویں سدھراں دی اور واشنا پنجابی شاعری کے مجموعے ہیں۔ظفر اعوان کی ان تصانیف کو کئی ملکی و غیر ملکی ایوارڈز و اعزازات جیسے کہ دریچہ اوسلو ایوارڈ، علی ارشد میر ایوارڈ، دل دریا پاکستان ایوارڈ، نقیبی کاروان ادب ایوارڈ، سوچ ایوارڈ، کارِخیر پاکستان ایوارڈ، سائیں حیات پسروری ایوارڈ، بشیر رحمانی ادبی ایوارڈ اور علامہ اقبال ایوارڈ، بیلی ایوارڈ سے نوازا جا چکا ہے۔اتنے کم عرصے میں اور اتنی کم عمری میں ظفر اعوان نے ترقی کی وہ منازل بھی طے کر لی ہیں کہ سنیئر ادبا اور شعرا بھی ظفر کی انتھک محنت اور لگن کے معترف ہیں۔ظفر اپنی ترقی کی منازل بہت تیزی سے طے کر رہے ہیں وہ اندرونِ اور بیرون ملک میں اپنی شہرت کا سکہ منوا چکے ہیں۔

ان کے والدین، اولاد، زوجہ اور رشتہ داروں کی آراء کی روشنی میں اور تمام تر معلومات کے بغور مطالعہ کے بعد میں نے ظفر اعوان کو کامیاب اور نیک صفت شخصیت پایا جو کہ اپنے اہل وعیال اور احباب کے ساتھ نہایت مہربان و مخلص ہیں۔وہ اپنے بھائی بہنوں کہ ساتھ ساتھ ان کے بچوں کے ساتھ بھی بہت اچھے دوستانہ مراسم قائم کیے ہوئے ہیں اور ان کی ہر موقع پر مدد کرتے ہیں۔ظفر اچھے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ عاشقِ رسول ﷺ عاشق اہل بیت ہیں اور اس محبت کا اظہار وہ اپنے اعمال کے علاوہ اپنے اشعار کے ذریعے بھی کرتے ہیں۔ظفر کے کلام میں حمد، نعت، منقبت، قصیدے، نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔ظفر ایک محبِ وطن پاکستانی ہیں انہیں اپنے ملک کی ثقافت، روایات اور اقدار سے بے پناہ محبت ہے۔وہ اپنے وطن کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ظفر اپنی ادبی خدمات کے ذریعے یورپ میں پاکستان کے سفیر کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

حوالہ جات

1-ظفر اعوان، انٹرویو، ریڈیو دوآبہ مشرقی پنجاب، 11 فروری 2022ء، صبح
2-ظفر اعوان، انٹرویو، سی پی ایچ ٹی وی کوپن ہیگن، 16 مئی 2019ء، صبح
3-سفارش علی، بھائی، انٹرویو، ہرپال پسرور، 2 مارچ 2022ء، سہ پہر
4-عائشہ بی بی، والدہ، انٹرویو، ہرپال پسرور، 2 مارچ 2022ء، سہ پہر
5-ظفر اعوان، انٹرویو، واٹس ایپ کال، ڈنمارک، 18 مارچ 2022ء، شام
6-ظفر اعوان، دھیمی اذانیں، دھنک مطبوعات، لاہور، 2020ء، ص 51
7-سمیرا ظفر، بیوی، انٹرویو، وٹس ایپ کال، ڈنمارک، 16 مارچ 2022ء، شام
8-ایضاً
9-محمد علی اعوان، بیٹا، انٹرویو، واٹس ایپ کال، ڈنمارک، 16 مارچ 2022ء، شام
10-شمع، بھانجی، انٹرویو، ہرپال پسرور، 14 مارچ 2022ء، صبح
11-عثمان علی، بھانجے، انٹرویو، ہرپال پسرور، 14 مارچ 2022ء، صبح
12-اشباہ علی اعوان، بیٹی، انٹرویو، واٹس ایپ کال، ڈنمارک، 16 مارچ 2022ء، شام
13-عدیل احمد آسی، دوست، انٹرویو، سیالکوٹ، 21 مارچ 2022ء، دوپہر
14-ایوب صابر، دوست، انٹرویو، سیالکوٹ، 21 مارچ 2022ء، دوپہر
15-نقاش علی بلوچ، دوست، واٹس ایپ، ڈنمارک، 17 مارچ 2022ء، شام
16-رمضان رفیق، آرزوئے سحر، نستعلیق مطبوعات، لاہور، 2018ء، ص 20
17-ظفر اعوان، آرزوئے سحر، نستعلیق مطبوعات، لاہور، 2018ء، ص 109
18-ایضاً، ص 143
19-ظفر اعوان، دھیمی اذانیں، دھنک مطبوعات، ملتان، 2019ء، ص 60
20-ایضاً، ص 63
21-ظفر اعوان، مہاجر پرندے، دھنک مطبوعات، ملتان، 2020ء، ص 165
22-ایضاً، ص 118
23-ظفر اعوان، آرزوئے سحر، نستعلیق مطبوعات، لاہور، 2018ء، ص 176

آرزوئے سحر کا موضوعاتی مطالعہ

تعارف:

آرزوئے سحر ظفر اعوان کی شاعری کا پہلا مجموعہ ہے۔اس کا پہلا ایڈیشن 2004ء میں شائع ہوا۔ظفر اعوان نے آغاز سے لے کر کتاب کی اشاعت تک جو شاعری کی اس میں نعتیہ کلام، غزلیں اور نظمیں شامل ہیں ان کو آرزوئے سحر کا حصہ بنایا۔ یہ ایک نوجوان کی شاعری ہے جو امیدوں خوابوں اور آرزوں سے بھر پور ہے۔جیسا کہ اس کے نام سے ہی واضح ہے اس میں شاعر سحر ہونے کیلئے پُر امید ہے۔البتہ اس کا دوسرا ایڈیشن جو 2018ء میں شائع ہوا اس کے ایک حصے میں ہجرت کے دکھوں کو بھی بیان کیا گیا ہے کیونکہ ظفر 2006ء کے بعد سے ڈنمارک میں مقیم ہیں اس لیے ان کی شاعری میں وطن سے دوری اور ہجرت کی صعوبتوں کا رنگ نمایاں ہے۔ظفر بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔انہوں نے ابھی تک چند عنوانات پر نظمیں لکھیں جو ان کے مجموعہ کلام آرزوئے سحر میں شامل ہیں۔اس کے بعد انہوں غزل کی دنیا میں ہی اپنا سفر جاری رکھا۔

ظفر اعوان اور آرزوئے سحر کے بارے میں چند ہم عصر شعرا کی آرا:

آرزوئے سحر ظفر اعوان کے شعری کلام کا پہلا مجموعہ ہے۔اس کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔شاعر بہت حساس طبیعت ہوتے ہیں جو معاشرے کی ہر چھوٹی بڑی بات کو بہت زیادہ گہرائی سے محسوس کرتے اور اس کی تصحیح کے بارے میں دیر تک سوچتے ہیں۔

''آرزوئے سحر'' میں ظفر بھی سحر طلوع ہونے اور اپنے معاشرے کی بہتری کیلئے پُر

امید نظر آتے ہیں۔ پہلی کتاب شاعر بننے کی طرف پہلا قدم ہوتی ہے۔ شاعری کی دنیا میں قدم رکھتے ہی اچھے شاعر مزید لگن اور محنت سے اپنے کام میں اور بھی نکھار پیدا کر کے شب و روز ترقی کی مزید منزلیں طے کرنے میں مگن رہتے ہیں۔ ظفر غم میں بھی مسکرانے والے دوستوں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے والے ایک پُرخلوص اور با اخلاق انسان ہیں۔ ظفر اعوان کی شاعری اس بات کی شاہد ہے کہ فیض اور اقبال کے شہر سیالکوٹ کی مٹی ابھی بھی زرخیز ہے اور اس میں ظفر جیسے پھول ابھی تک کھل رہے ہیں اور پاکستان کی فضاؤں کو اپنے فن سے معطر کر رہے ہیں۔ ظفر کے پہلے شعری مجموعے کو پڑھنے کے بعد اکثر شعرا ان کے مزید شعری مجموعوں کے منتظر نظر آتے ہیں اور پُرامید ہیں کہ وہ اس سے بھی زیادہ شاندار ہوں گے۔ عطاالحق قاسمی آرزوئے سحر کے بارے میں اپنی رائے کچھ یوں دیتے ہیں:

> ''اس میں اس طرح کی شاعری ہے جیسا کی عموماً ایک اچھے اور نئے شاعر کے پہلے شعری مجموعہ میں ہوا کرتی ہے خوبصورت اور معصوم جذبوں کی ترجمان، سادہ اور شگفتہ اظہار سے لبریز۔ [۱]''

آرزوئے سحر نئے شعرا کی شاعری کی عکاسی کرتی نظر آتی ہے۔ ظفر جیسے نوجوان شعرا اکثر اپنی شاعری میں پر امید نظر آتے ہیں۔ انہوں نے جب شاعری کی دنیا میں قدم رکھا تو انہوں نے اپنے کومل اور معصوم جذبات کے اظہار کے لئے بہترین الفاظ کا چناؤ کیا اور بڑی مہارت کے ساتھ انہیں خوبصورت اشعار کی صورت میں قارئین کی نظر کیا۔ ''آرزوئے سحر'' میں ظفر کے الفاظ سادہ، لہجہ شگفتہ اور ایک ایک حرف جذبات سے لبریز ہے۔ ظفر ایک نوجوان، پرامید، ترقی پسند اور جدت پسند شاعر ہیں ان کے جذبات معصوم لیکن ان کے ارادے پختہ

ہیں جو ان کی کامیابی کی نوید سناتے ہیں۔ یہ ظفر کا پہلا شعری مجموعہ ہے لیکن انہوں نے اس میں بہت سے موضوعات کا احاطہ کیا ہے جو ان کی دور اندیشی کا پتہ دیتے ہیں۔

ظفر اعوان شاعری کی دنیا میں اُبھرتے ہوئے ایک نوجوان شاعر ہیں۔ انہوں نے اپنی کم عمری، لگن، محنت اور ادب کے شعبہ میں بھرپور توجہ سے اپنے سنیئر شعرا کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ ان میں سے اکثر اس بات پر حیران ہیں کہ ظفر اپنی تعلیم کا حرج کیے بغیر شاعری میں بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ ایسا بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے اور یہ بات بہت زیادہ خوش آئند ہے کہ وہ اپنی تعلیم کو ساتھ ساتھ جاری رکھے ہوئے ہیں کیونکہ تعلیم ان کے ہنر کو مزید نکھارے گی۔ زمانہ طالبعلمی میں اتنی ذمہ داری کم ہی لوگ کرتے ہیں اور ظفر ان چند لوگوں میں شامل ہو کر داد کے قابل ہیں۔ اقبال راہی ظفر کے بارے میں کچھ اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں:

> ''ظفر اعوان شاعری کے نئے نئے اسیر ہیں۔ کچھ عرصہ بعد یہ زندان کھلے گا اور وہ ایک نئی شان و شوکت کے ساتھ اپنے آپ کو منوا لیں گے۔ کیونکہ وہ دل میں اترنے کا ہنر جانتے ہیں۔ میں ان کی ترقی و کمال کے لیے خلوص دل سے دعا گو ہوں اور رہوں گا۔ ۲''

ظفر اعوان کی شاعری کو پڑھنے کے بعد شاعری سے اُس کے لگاؤ کا اندازہ ہوتا ہے۔ ماہرین کی یہ رائے ہے کہ ان کے تخیل کی پرواز کا آغاز ہو چکا ہے اب انہیں اور ان کی سوچ کو کسی زندان میں قید کرنا ممکن نہیں رہے گا۔ ان کی شاعری کی خوبی یہ ہے کہ ان کی بات دل سے نکلتی ہے اور دلوں پر ہی اثر کرتی ہے اور یہی ظفر کا مقصد بھی ہے کہ وہ اپنی بات، اپنے خیالات کو لوگوں کے دلوں تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اقبال راہی جو ایک نامور ادیب اور شاعر

ہونے کے ساتھ ساتھ ظفر کے قریبی دوست بھی ہیں وہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ زیادہ دور نہیں مستقبل قریب میں ہی لوگ دیکھیں گے کہ ظفر ادبی دنیا کے منظرنامے پر اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ جگمگائیں گے۔ ان کی لگن اور انتھک محنت کو دیکھتے ہوئے ان کے لئے دعائیں دل سے نکلتی ہیں کہ اللہ پاک ان کے ہنر کو اوج وکمال بخشے اور ان کے تخیل کو بلند پروازی عطا کرے۔"آرزوئے سحر"کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ پختہ خیال ذہن میں ابھرتا ہے کہ اس شاعر کا مستقبل بہت روشن ہے۔ کیونکہ جو تسلسل، حساسیت اور درد ان کی شاعری میں نظر آتا ہے وہ کسی بھی شاعر کی ترقی اور مقبولیت کا ضامن ہوتا ہے۔ یہ خصوصیت اکثر کامیاب شعرا میں نمایاں نظر آتی ہیں۔حسن عباسی ظفر کے دیرینہ دوست اور معروف شاعر ہیں وہ ان کے ساتھ اندرونِ اور بیرون ملک مشاعروں میں شرکت کر چکے ہیں۔ ان کے پنجابی کے شعری مجموعہ"زیویں سدھراں دی"کی رونمائی تقریب جو کہ کوپن ہیگن ڈنمارک میں ہوئی میں بھی شرکت کی۔ وہ آج بھی اس تقریب کو فراموش نہیں کر سکے حسن ظفر کو اپنا دوست کم بھائی زیادہ سمجھتے ہیں۔ وہ"آرزوئے سحر"کے دوسرے ایڈیشن پر بہت خوش اور پر امید ہیں۔حسن عباسی کہتے ہیں:

> ''آرزوئے سحر میں شامل غزلیات، نظمیں اور نثری نظمیں انتہائی سادہ انداز میں لکھی گئی ہیں۔ یہ سادگی دلکش بھی ہے اور دل پذیر بھی۔ظفر کے اندر ادبی حوالے سے بے پناہ صلاحیتیں موجود ہیں جن کو بروئے کار لا کر وہ بہت آگے جا سکتا ہے۔ ۳؎''

ظفر کی شاعری کا خاصہ ان کی شخصیت اور ان کے کلام کی سادگی ہے وہ سادہ الفاظ کی مدد سے نہایت عمدہ طریقے اور سلیقے سے سارا مدعا بیان کر دیتے ہیں جس کی تاثیر قاری واضح

طور پر محسوس کرتا ہے۔ آرزوئے سحر میں انہوں نے جو نظمیں اور غزلیں لکھیں ان کے محرکات اور ان کو لکھنے کے اصل مقصد کو پڑھنے والوں تک نہایت ہی سادگی اور دلکشی سے پہنچایا۔ ظفر شاعری کے حوالے سے خداداد صلاحیتوں کے مالک ہیں اور جیسے ہیرے کی پہچان جوہری کو ہی ہوتی ہے اسی طرح علم وادب اور فن کی دنیا کے ماہرین ظفر کی پوشیدہ صلاحیتوں کو پہچانتے ہیں اور ان کے فن کے معترف ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات کے لئے بھی بہت پر امید ہیں کہ ظفر اپنی صلاحیتوں، کاوشوں اور لگن کے بل پر بہت جلد علم وادب کی دنیا میں اپنا نام اور مقام پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے انشاءاللہ۔

ظفر ہر وقت شاعری کے ماحول میں مست نظر آتے ہیں۔ کسی لمحے بھی وہ اس حصار کو ٹوٹنے نہیں دیتے۔ یہ حصار ظفر کو مزید بہتر اشعار اور خیالات کی طرف لاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اگر ظفر کی شخصیت سے شاعری کو نکال لیا جائے تو وہ خود کو نامکمل محسوس کریں گے۔ ظفر کے ساتھ رہنے والے ان کے ساتھ وقت گزارنے والے احباب بتاتے ہیں کہ وہ ابتدائی آشنائی میں یہ نہ جان سکے تھے کہ ظفر اتنے اچھے شاعر ہیں۔ انہوں نے ظفر کو انتہائی سادہ، مشکلات میں بھی چہرے پر مسکان سجائے رکھنے والا، دوستوں کی مدد کرنے والا ان کے کام آنے والا اور انتہائی پُرخلوص شخصیت کے طور پر دیکھا۔ ظفر کے دوست انہیں محبتیں بانٹنے والا سادہ لوح شاعر کہتے ہیں۔ ظفر کی شخصیت میں ٹھہراو، سکون، رعب اور اطمینان کی وجہ ان کی خاموشی ہے۔ وہ خاموش رہ کر معاملات کو گہرائی سے محسوس کرتے ہیں۔ ان کے بچپن کے ساتھی اور روم میٹ کامران ملک بتاتے ہیں:

> ”خاموشی نے ظفر کے اندر کے شاعر کو پروان چڑھایا ہے اور آج وہ
> ااس مقام پہ ہے کہ بزرگ شعرا بھی اسے داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ظفر کا

سیالکوٹ سے تعلق اس بات کی دلیل ہے کہ فیض اور اقبال کی مٹی ابھی بھی زرخیز ہے جس سے ظفر جیسے کئی پھول کھل رہے ہیں۔ اللہ ان کے ہنر کو مزید نکھارے۔ آمین۔۔۔۔۔؎''

ظفر کم گو، انتہائی خاموش طبع شاعر ہیں اور زیادہ باتوں سے گھبراتے ہیں۔ ہر بات لکھنے یا بولنے سے پہلے یہ خیال ان پر حاوی ہو جاتا ہے کہ یہ کسی کو گراں نہ گزرے۔ وہ ہر معاملے کہ تمام پہلوؤں کا جائزہ خاموشی سے لیتے ہیں اور یہی خاموشی ان کے ہنر کو نکھارتی اور ان کی تخلیقی صلاحیتوں میں اضافہ کرتی ہے۔ وہ خاموشی سے جائزہ لینے کے بعد اپنے خیالات کو زبان پہ لانے کی بجائے قلم کی مدد سے انہیں سیدھا کاغذ پر ہی اتارتے ہیں اور قارئین کی نظر کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں کمال اور لگن کو دیکھ کر بڑے بڑے ادباء اور شعرا بھی ظفر کو داد دیئے بغیر رہ نہ سکے۔ ظفر بھی سیالکوٹ کی مٹی کے سپوت ہیں ان کے خون میں ان کی روح میں زرخیزی اسی مٹی کی دین ہے۔ تاریخ گواہ ہے اس مٹی نے فیض اور اقبال جیسے بلند پایہ شعرا کو پروان چڑھایا اور اب ظفر کی شاعری میں بھی ان کی بلند پروازی اور اس مٹی سے تعلق کا اثر واضح نظر آتا ہے۔ ظفر کی شاعری اس بات کی نوید ہے کہ یہ مٹی اسی طرح کے پھول اُگا کر ارضِ پاک کو ہمیشہ اسی طرح مہکتا رکھے گی۔ ظفر اندھیروں سے خوف محسوس کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس بات کا یقین رکھتے ہوئے خود کو امید بھی دلاتے ہیں کہ ایسی کوئی رات نہیں جس کی صبح نہ ہو۔ رات کتنی بھی لمبی کیوں نہ ہو سحر طلوع ہو کر ہی رہتی ہے۔ ظفر کی کامیابی اور ترقی کے لئے ان کے بہت سے ساتھی اور چاہنے والے ہمیشہ دعا گو رہتے ہیں اللہ پاک ان کو اس فن میں مزید کمال اور مہارت بخشے۔ آمین

''آرزوئے سحر'' کا موضوعاتی مطالعہ:

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شاعری جذبات واحساسات اور داخلی وخارجی

کیفیات کے اظہار کا نام ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر عمر کا مشاہدہ کرنے اور بیان کرنے کا اپنا اپنا انداز ہوتا ہے۔ نہ تو کسی شاعر کا محض اسلوب اس کی شاعری میں جان ڈال سکتا ہے اور نہ ہی اکیلے موضوعات اس کی شہرت کا سبب بن سکتے ہیں بلکہ ان دونوں خوبیوں کا امتزاج عظیم ادب کی تخلیق کا سبب بنتا ہے۔ جدید شعرا میں ایک اہم نام ظفر اعوان کا بھی ہے۔ ظفر اعوان منفرد لہجے کے جدید شاعر ہیں۔ ظفر اعوان شاعری میں جدیدیت کے علم برداروں میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ ان کا اسلوب ان کی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں جدید لفظیات کو استعمال کر کے جدید شاعری کو ایک نیا رنگ دیا۔ ظفر اعوان ابھرتے ہوئے ایک نوجوان شاعر ہیں۔ آرزوئے سحر ظفر اعوان کی شاعری کی پہلی تخلیق ہے۔ جس میں حمدیہ اشعار، نعتیں، غزلیں اور نظمیں شامل ہیں۔

حمدیہ کلام:

حمد عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "تعریف" کے ہیں۔ وہ نظم جس میں اللہ پاک کی تعریف بیان کی جائے "حمد" کہلاتی ہے۔ دکن میں جس دور میں اردو شاعری کا آغاز ہوا ساتھ ہی حمد کا بھی آغاز ہو گیا۔ ایسا لگتا ہے کہ کوئی بھی شاعر جب شاعری شروع کرتا ہے تو شانِ خداوند کے بارے میں لکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حمد عربی، اردو، فارسی کسی بھی زبان میں کہی جا سکتی ہے۔ تقریباً تمام شعرا نے اپنی اپنی بساط کے مطابق حمدِ باری تعالیٰ بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس موضوع کی وسعت کی کوئی انتہا نہیں ہے یہ اتنا ہی متنوع اور وسیع ہے جتنی کہ اللہ پاک کی ذات۔ حمد اردو شاعری ظفر کی شاعری میں کی قدیم ترین اصناف سخن میں سے ہے۔ دورِ قدیم سے یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ شعرا اپنے ہر دیوان اور مجموعہ کلام کا آغاز حمد سے کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ بہت سے شعرا نے خاص طور پر الگ سے بھی حمدیں

لکھی ہیں۔ یہ موضوع ہر مسلمان کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے۔اللہ پاک کی حمد وثنا کا سلسلہ ازل سے جاری ہے اور ابد تک اسی طرح جاری وساری رہے گا لیکن پھر بھی اللہ پاک کی حمد کا حق ادا نہیں ہو سکے گا۔فرشتے انسانوں کی تخلیق سے بہت پہلے سے اللہ پاک کی حمد و ثنا میں مصروف ہیں۔صرف فرشتے ہی نہیں بلکہ تمام مخلوقات ہمہ وقت اپنے اپنے انداز میں اللہ پاک کی حمد وثنا میں مصروف ہیں۔انسانوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

ظفر اعوان نے اپنے ہر مجموعہ کلام کی طرح ''آرزوئے سحر'' میں بھی حمد یہ کلام شامل کیا ہے۔ان کے کلام میں جا بجا اللہ تعالیٰ کی تعریف مختلف انداز میں بیاں ہوتی نظر آتی ہے۔وہ عشقِ باری تعالیٰ میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں اور اللہ پاک سے دعائیں اور التجائیں بھی کرتے ہیں۔وہ اللہ پاک کے معجزات اور تجلیات کے لیے ہمیشہ منتظر رہتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ ان تجلیات کو پانے کے لیے ہمیں پہلے اپنا تن، من اور دھن صاف اور پاک کرنا ہوگا، اپنے دل کو غیر اللہ سے پاک کرنا ہوگا۔ظفر اپنے شعری مجموعہ ''آرزوئے سحر'' میں لکھتے ہیں:

اسے تجلیوں کی رت میں رحمتیں ملیں یہاں
کہ جس نے دل کو اپنے رب کی یاد سے سجا دیا [۵]

ظفر کہتے ہیں کہ جس نے اپنے دل کو اپنے رب کی یاد سے مزین کر لیا وہ دل پھر نور کی تجلیات سے منور ہو جاتے ہیں۔رب کی رحمتوں کی برسات شب و روز اور لمحہ بہ لمحہ ہوتی رہتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی رحمت اور تجلیات کے جلوے تو ویسے بھی کائنات میں ہر طرف نظر آتے ہیں۔ہم جس طرف دیکھیں جس چیز پر بھی غور کریں ہر شے اللہ کے ہونے کی گواہی دیتی

ہےلیکن اللہ پاک کی یاد سے مزین دل میں ہمیشہ سکینہ نازل ہوتی ہے۔ اللہ پاک کا کثرت سے ذکر کرنے والے اور اپنا ہر کام اللہ پاک کے بابرکت نام سے شروع کرنے والے اپنے ہر کام اللہ پاک کی مدد کو واضح طور پر محسوس کرتے ہیں۔

انسان کا دل تو ویسے ہی خدا کا گھر ہے انسان کا کام تو بس اس گھر کو اللہ کی یاد سے اس کے ذکر سے آراستہ کرنا ہے لیکن انسان کا نفس اور اس کی خواہشات اس کے اور اللہ کے درمیان فاصلوں کی وجہ ہیں۔ نفسانی خواہشات کے ذریعے شیطان انسان کو صراطِ مستقیم سے بھٹکا کر ذلیل وخوار کروا دیتا ہے۔ انسان کا نفس ہی اللہ پاک اور انسان کے تعلق میں حائل ہونے والی سب سے بڑی دیوار ہے۔ اسی دیوار کے بارے میں ظفر کہتے ہیں:

کون تھا میرے اور خدا کے بیچ

جس نے یہ رابطہ نہ ہونے دیا ؎

اس شعر میں ظفر کہتے ہیں کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میں انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں لیکن اس قربت کے آڑے ہماری دنیا سے محبت اور ہمارا نفس آ جاتا ہے۔ ہم دنیا میں اس قدر مگن ہو جاتے ہیں کہ ہمیں لگنے لگتا ہے کہ اللہ تو ہم سے بہت دور کہیں آسمانوں میں ہے ہم گنہگاروں کی اس تک رسائی ہی ممکن نہیں۔ لہذا اگر ہم خود ہی اپنے اور خدا کے تعلق کے درمیان نہ آئیں تو دنیا کی کوئی اور چیز نہیں آ سکتی۔ انسان کبھی بھی کسی بھی حالت میں تنہا نہیں ہوتا ذاتِ باری تعالی ہر وقت، ہر جگہ اور ہر حال میں بندے کہ ساتھ موجود ہوتی ہے یہ صرف اور صرف انسان کی اپنی سوچ ہوتی ہے کہ وہ کبھی خود کو بہت اکیلا اور بے سہارا محسوس کرنے لگتا ہے اور کبھی خوش وخرم و سمجھتا ہے۔ درحقیقت ہمارے خوشی اور غم کے معیار ہی الگ ہیں۔ ہمیں دنیا ملتی ہے ہم خوش ہو جاتے ہیں اور اگر دنیا کا تھوڑا سا بھی

نقصان ہوتا تو ہم غمگین ہو جاتے ہیں۔ ہم نے خود ہی اپنے اور اپنے اللہ پاک کے درمیان اس دنیا کو اس دنیا کے دھوکے کو حائل کر لیا ہے لیکن درحقیقت اللہ اور بندے کا تعلق بہت قریبی ہے اور بہت مضبوط ہے۔

انسان کائنات میں جس طرف بھی دیکھے اسے خدا کی قدرت کے مظاہر نظر آتے ہیں، ہر شے کا وجود وقتی ہے ہر شے فانی اور بقا صرف اور صرف ایک ذات کو ہے وہ ذات اللہ پاک کی ذات ہے۔ ہر شے کی تخلیق اللہ پاک نے کی ہے کوئی چیز اللہ پاک کو بنانے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ اللہ سب کا خالق ہے اس کا خالق کوئی نہیں اور اللہ پاک کو اپنے ہونے کے لئے کسی کے ہونے یا نہ ہونے کی بھی ضرورت نہیں جیسا کہ ظفر کہتے ہیں:

مرا ہونا نہ ہونا اِک برابر
جہاں میں بس خدا ہے اور کیا ہے؎

انسان کا وجود بھی دنیا میں اللہ کی کاریگری کا بہترین مظہر ہے۔ غرضیکہ درختوں کے پتوں سے لے کر، پہاڑوں کی چوٹیوں تلک، صحراوں سے سمندروں تک کائنات میں جہاں بھی نظر دوڑائیں ہر شے ہمیں اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا اور اس کی واحدانیت کا پتہ دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اٹھارہ ہزار سے زائد مخلوقات کا خالق ہے۔ انسان بھی اس کی ایک ادنیٰ سی مخلوق ہے، یہ اللہ پاک کا خاص کرم ہے کہ اس نے ہمیں اشرف المخلوقات کے درجہ پر فائز کیا۔ اللہ تعالیٰ کا وجود کسی شے کے ہونے کا محتاج نہیں ہے۔ کچھ نہ تھا تو خدا تھا اور کچھ نہیں بھی ہوگا تو خدا ہوگا وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

نعتیہ کلام:

نعت گوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص توفیق ہے، یہ کسی فن کی محتاج نہیں۔ یہ تو

خدائے پاک کی عطا ہے جو وہ اپنے چنے ہوئے خاص بندوں پر کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اللہ کے محبوب ﷺ کی تعریف کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ اردو شاعری میں نعت گوئی کی ایک قدیم روایت دیکھنے کو ملتی ہے۔ اردو کے علاوہ عربی اور فارسی زبان میں بھی شعرا نے نعت کہنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نعت کی تعریف کچھ اس طرح کرتے ہیں:

''نعت در حقیقت حضور اقدس ﷺ سے والہانہ محبت و عقیدت کے اظہار کی ایک شکل ہے۔ ۸ ''

محبت و عقیدت کے اظہار کا طریقہ ہر کسی کا اپنا اپنا ہوتا ہے اور نبی کریم ﷺ سے ہر مسلمان والہانہ محبت کرتا ہے اور کسی کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ بہتر سے بہتر انداز میں اس محبت و عقیدت کا اظہار کر سکے لیکن شعرا کو اس حوالے سے خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ وہ نہ صرف اپنی بلکہ بہت سے دوسرے لوگوں کی محبت کی بھی ترجمانی کرتے ہیں۔ شاعری کی صورت میں نبی کریم ﷺ سے اظہار محبت کو نعت کا نام دیا جاتا ہے۔

ظفر اچھے شاعر ہونے کہ ساتھ ساتھ سچے عاشقِ رسول ﷺ بھی ہیں۔ ظفر نے اپنے تمام مجموعہ کلاموں میں حمدِ باری تعالیٰ اور نبی پاک ﷺ کی مداح بیان کی ہے۔ وہ نبی کریم ﷺ سے اپنی محبت و عقیدت کو الفاظ کی خوبصورت لڑیوں میں پرو کر اپنے جذبات کا نذرانہ پیش کرتے رہتے ہیں۔ ظفر دربارِ رسالت میں حاضری کے بہت مشتاق ہیں۔ اپنے دادا عبدالغنی کی طرح ظفر بھی کی بھی یہ شدید خواہش ہے کہ وہ درِ نبی ﷺ پہ حاضر ہوں، عقیدت بھرے کلام کے پھول نچھاور کریں اور وہیں کے ہو کر رہ جائیں۔ اس آرزو کا اظہار ظفر اپنے مجموعہ کلام ''آرزوئے سحر'' میں کچھ اس طرح کرتے ہیں:

ہم ان کی محفل میں جائیں گے یوں نظر کو اپنی جھکا جھکا کے
سلام ان کو کریں گے یاروں یہ ہاتھ اپنے اٹھا اٹھا کے [۹]

عشق میں آداب لازم ہوتے ہیں اور سچے عاشق ہی ان آداب سے واقف ہوتے ہیں۔نعت گوئی میں ہر لحظہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آداب کا خیال لازم ہوتا ہے۔ظفر بھی عزتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے خواہشمند ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ عاجزی کے دامن کو بھی تھامے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ پاک ہمیں اس سفر کے لیے چن لے قبول کر لے۔ وہ وقت آئے کہ ہم بھی درِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حاضر ہوں، ہماری آنکھیں اشک بار ہوں اور عقیدت سے جھکی ہوئی ہوں۔دل سوز و گداز سے لبریز ہو اور زبان کا یہ حال ہو گا کہ الفاظ ادا کرنے کی سکت نہ ہو گی۔ بدن پہ لرزہ طاری ہو گا اور ہم اپنے ہاتھ فضا میں بلند کر کے ہلاتے ہوئے خوشی سے جھومتے ہوئے سرشار ہو کر اپنا درود و سلام پیش کرتے ہوئے حاضر ہوں گے اور جب وہ درود و سلام قبولیت کی منزل پا لے گا تو ان کا نظرِ کرم ہو جائے گا اور سب بگڑیاں بن جائیں گی۔جیسا کہ ظفر اپنے شعر میں بیان کرتے ہیں:

یوں مسکرا کہ جس گھڑی نگاہ میں بسا دیا
فقیر کو بھی اس نے بادشاہ پھر بنا دیا [۱۰]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات کا یہ فیض ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منگتوں کو سلطان بنا دیا، جس کی حاضری آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں قبول ہو گئی اس کی دنیا بھی بھلی اس کی آخرت بھی بھلی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گلی تو فقرا کی بھی شان اعلی ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر میں آ گیا اس کے بیڑے پار ہو گئے۔ کیونکہ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیار کرتے اللہ تعالی کی بارگاہ میں بھی وہی لوگ مقبول ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالی کے محبوب ساری دنیا کے لئے رحمت بن کر

تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انبیا سے آخر میں دنیا میں بھیجا لیکن تمام انبیا کا سردار بنا کر۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مداح نہ پوری طرح لکھی جا سکتی ہے اور نہ بیان کی جا سکتی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک جھلک سے مرجھائے چہرے خوشی سے کھل اٹھتے ان پر بہار آ جاتی، پریشان حالوں کے حالات سنور جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرف سے گزرتے ہوا معطر ہو جاتی، فضائیں جھوم جاتیں اور بادل سایہ کرتے۔ عرب کے جاہل معاشرے میں جب ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمتِ دو عالم کا نزول ہوا تو عرب کی خشک اور ریت سے اٹی ہوئی ہوائیں بھی پھولوں کی طرح مہک اُٹھیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گرویدہ ہو جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کا نور دِلوں کو منور کر دیتا۔

امید:

امید ایک مثبت جذبہ ہے جو آگے بڑھنے کی امنگ پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا جذبہ ہے جو آگے بڑھنے کے لیے راہ ہموار کرتا ہے۔ اور اسی جذبہ کے تحت تپتے ہوئے صحرا میں بھی سایہ دار درخت کا احساس ہوتا ہے۔ زندگی کے مشکل ترین حالات اس امید کے سہارے کہ یہ وقت بھی گزر جائے گا کاٹ لئے جاتے ہیں۔ ہر اندھیرے کے بعد روشنی ہوتی ہے جیسے ہر رات کے بعد دن کا نکلنا اٹل اسی طرح ہر مشکل کے بعد آسانی کا وعدہ ہے۔ امید ہی ہے جو گھپ اندھیروں میں روشنی کی کرن بن کے آتی ہے۔ ظفر اعوان امید کے بارے میں کہتے ہیں:

خدا نے خوبیاں رکھی ہیں سب میں
کوئی بھی بے ہنر ہوتا نہیں ہے [11]

اللہ تعالیٰ نے ہر ذی روح انسان میں بے پناہ صلاحتیں رکھی ہیں۔ان صلاحیتوں سے کام لینا انسان کا کام ہے کہ وہ محنت کرے اور کوشش کرے۔ ہر انسان میں ایسی خدا داد صلاحتیں ہیں کہ وہ ان کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی زندگی میں کامیابی لاسکتا ہے۔اس دنیا میں ایسا کوئی بھی انسان نہیں ہے جسے کوئی بھی کام نہ آتا ہو۔اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت پوشیدہ ہے کوئی واقع بھی بے سبب رونما نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی شے کو بغیر مقصد کے پیدا کیا گیا ہے۔ راستے کتنے بھی کٹھن کیوں نہ ہوں ان پر چلتے چلتے منزل مل ہی جاتی ہے۔اور جہاں کوئی راستہ نظر نہ آرہا ہو وہاں بھی محنت کرنے سے راستے نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ظفر کسی بھی صورت میں کیسے بھی مشکل حالات کیوں نہ ہوں امید کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کو تیار نہیں ہیں۔ان کے امید سے بھر پور شعر ملاحظہ کریں:

ایسے رستے ہیں مرے سامنے دیکھے ہی نہیں
انہیں رستوں میں کہیں پیار کا بھی جھرنا ہے [۱۲]

ظفر اعوان ہر حال میں پر امید رہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایسے راستے بھی ہیں جن سے وہ آج تک گزرے ہی نہیں ان راستوں پر بھی انہیں پیار و محبت ضرور ملے گی۔ان راستوں پر چل کر کامیابی ضرور ملے گی۔اور اس امید کے ساتھ کہ انہی راستوں میں گل و گلزار ان کے منتظر ہوں گے وہ سفر کرنے کو تیار ہیں۔اور جو لوگوں کے راستے میں رکاوٹیں اور مشکلات کھڑی کرنے والے ہیں انہیں وہ اپنے کومل الفاظ اور اپنے اعلیٰ اخلاق سے اپنا گرویدہ کر لیں گے اور ان کانٹے بچھانے والوں کے لئے پھول نچھاور کر کے کر ایک نئی مثال پیدا کرنے کے لئے پر عزم ہیں۔اگر انسان اسی عزم کے ساتھ قدم بڑھائے تو اسے پتہ چلے گا منزلیں بھی اس کی منتظر تھیں۔

ظفر اعوان لوگوں میں امید جگانے کے لئے ہمہ وقت کوشاں ہیں ان کا کہنا ہے کہ کامیابی تو انسان کی منتظر ہی ہوتی ہے بس ضرورت اس امر کی ہے انسان نا امیدیوں اور ناکامیوں کے خوف سے بالاتر ہو کر محنت کرے تو امید اور محنت کا دامن تھام کر وہ کامیابی کی طرف بڑھ سکتا ہے۔ جیسا کہ ظفر بھی اپنے محبوب کے بارے میں کہتے ہیں:

اس نے آنا کبھی نہیں ہوتا
پھر بھی میں اہتمام کرتا ہوں [۱۳]

حالات سے واقف ہونے کے باوجود جہاں نہ ہونے کی تمام نشانیاں پوری ہو چکی ہوں وہاں بھی سب ٹھیک ہونے اور سب اچھا ہونے کی امید لیے بیٹھے لوگ نظر آتے ہیں۔ ظفر بھی انہی چند لوگوں میں شامل ہیں۔ اس شعر میں ظفر اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ محبوب نہیں آئے گا لیکن پھر بھی اس کے آنے کا پورا اہتمام کرتے ہیں اور یہ صرف اور صرف امید ہے جو ان سے یہ اہتمام کرواتی ہے۔ انسان اپنے سارے دکھ، درد اور غم امید کے سہارے بھلا دیتا ہے اور امید کا ہی سہارا لے کر کامیابی کے سفر پر رواں دواں ہو جاتا ہے۔ امید کی ایک مثال ہمیں عاشقوں سے بھی ملتی ہے۔ کچھ عاشق روایتی دل جلے عاشقوں سے ہٹ کر ہوتے ہیں وہ کبھی نا امید نہیں ہوتے کہ انہیں ان کا محبوب نہیں ملے گا بلکہ وہ ہمیشہ اس کے ملنے کے لیے پر امید رہتے ہیں۔

محبت:

محبت ایک ایسا جذبہ ہے جس کی افادیت مسلمہ ہے۔ اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ اس کی وجہ سے ہی دنیا قائم ہے۔ محبت اپنے اندر بہت سے جذبوں کے رنگ سمیٹے ہوئے ہے۔ محبت کا جذبہ انسانوں میں انسانیت پیدا کرتا ہے۔ اسی کی بنا پر انسانوں میں

رشتوں کی پاسداری ہوتی ہے۔کائنات کے ہر رشتے کی ابتداء محبت سے ہوئی ہے۔آج بھی اس دور میں محبت موجود ہے اور ہر دور میں موجود رہے گی۔لیکن یہ اپنا اصلی روپ کھو چکی ہے۔اس حقیقت سے انکار نہیں کہ محبت کے احساسات اب کم ہو چکے ہیں۔لیکن اس کی مو جودگی سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔محبت کی ناکامی زندگی بھر کے لئے آنسوؤں کا سبب پیدا کر دیتی ہے۔شاعر نے محبت کی اس کیفیت کو اس شعر میں بیان کیا ہے:

یہ محبت کی قید تھی جس نے
زندگی بھر رہا نہ ہونے دیا [۱۴]

ظفر اعوان کی شاعری بھی محبت کے تمام رنگوں سے بھری پڑی ہے۔اسی جذبے کی بدولت انسان کی سانسوں میں تازگی اور چہرے پر طمانیت رہتی ہے لیکن ظفر کہتے ہیں کہ محبت کی اسیری ایسی ہوتی ہے کہ اس سے تا حیات رہائی ممکن نہیں ہوتی۔انسان غم سہتا ہے، سسکتا ہے تڑپتا ہے لیکن نہ رہائی ملتی ہے اور نہ عاشق خود رہا ہونا چاہتا ہے۔محبت میں ملنے والے دکھوں کا ظفر کی شاعری پر گہرا اثر ہے۔محبت کرنے کے جو اثرات ہوتے ہیں انہیں ظفر نے اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔محبت کرنے سے انسان اپنی حالت کھو دیتا ہے۔ دل میں یادوں کا بسیرا اور آنکھوں میں آنسوؤں کا انبار لگ جاتا ہے۔اور پھر انسان کی ہنستی بستی دنیا کو یہ عشق و محبت اجاڑ دیتا ہے۔

محبت کرنا ہر کسی کے بس کا کام نہیں۔محبت میں دکھ اور تکالیف برداشت کرنا پڑتی ہیں۔محبت کا دکھ ایسا ہوتا ہے۔کہ انسان کی ہنسی چھین لیتا ہے۔دنیا بھی سوکھے ہوئے دریا کی طرح سوکھی ہوئی لگتی ہے۔اور وہ محبت سے راہ فرار اختیار کرنا چاہتا ہے لیکن محبت کی قید سے عمر بھر رہائی بھی نہیں ملتی۔لاحاصل محبت نامکمل غزلوں کو جنم دیتی ہے کیونکہ کافی اشعار

آنسوؤں کی نذر ہو جاتے ہیں۔نمونہ کلام میں سے ایک اور شعر ملاحظہ کریں:

یہ محبت بہت ہی مشکل ہے
اب کوئی اور کام کرتا ہوں ۱۵؎

محبت میں اتنے گہرے درد چھپے ہیں کہ اس سے جان چھڑانے کے بہانے ڈھونڈے جاتے ہیں۔اور دعا کی جاتی ہے کہ اس سے جان چھوٹ جائے۔کیونکہ اس کے مظالم کو برداشت کرنے کی طاقت ختم ہو جاتی ہے۔ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ انسان ہار مان لیتا ہے۔انسان آخر میں یہ تمنا کرنے لگتا ہے کہ اسے محبت کی ساری کہانی بھول جائے وہ کسی اور کام میں جی لگائے ان دکھوں اور غموں سے کسی طرح اسے نجات حاصل ہو لیکن ایسا پھر ممکن نہیں ہوتا۔کہیں بھی چلے جائیں کچھ بھی کر لیں لیکن دل ہے کہ وہیں محبوب کے در پہ اٹک کر رہ جاتا ہے اس طرح غائب دل و دماغ کہ ساتھ انسان کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ المختصر کہ محبت انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔

تنہائی:

یہ ایک احساس کا نام ہے۔یہ ایک خوشگوار جذباتی عمل ہے۔جو سماجی اکیلے پن کی وجہ سے ابھرتا ہے۔تنہائی کی وجوہات مختلف ہو سکتی ہیں۔یہ وجوہات سماجی، دماغی، جذباتی اور جسمانی عوامل کی وجہ سے ہو سکتی ہیں۔تنہائی اس احساس کا نام ہے جو کسی کی عدم موجودگی میں ہوتا ہے۔قدیم اور جدید شاعری میں تنہائی کو ایک خاص موضوع کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ظفر اعوان کی شاعری میں بھی تنہائی کا موضوع موجود ہے۔عشق کے معاملات میں تنہائی کا بڑا عمل دخل ہے۔جب انسان خود سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔اس کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔وہ کسی سے ملنا تک پسند نہیں کرتا۔دکھ درد کی کیفیت میں اسے خود کا بھی پتہ نہیں

ہوتا۔عزیز و اقارب، یار دوست تو دور کی بات وہ تو اپنے آپ کو بھی نہیں پہچانتا۔نمونہ کلام آرزوئے سحر سے ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

اور کسی سے زیادہ کیا رکھتے
خود سے بھی اپنی دوستی کم تھی [۱۶]

انسان کی زندگی میں کبھی ایسا مقام بھی آتا ہے جب کسی اور سے تو کیا اسے خود اپنے وجود سے بھی اکتاہٹ ہونے لگتی ہے۔وہ تنہائی میں سکون محسوس کرنے لگتا ہے۔کبھی ایسا ہوتا ہے جب انسان کوئی کام کرنے لگتا ہے تو اس کے لیے بعض اوقات مشکلات اور رکاوٹیں آڑے آجاتی ہیں، وہ تنہا ہو جاتا ہے، اپنے ساتھی بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ان حالات میں اس کے لیے کام جاری رکھنا بہت دشوار ہو جاتا ہے، اسے ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے مگر ہمت اور حوصلہ دینے والا کوئی نہیں ہوتا وہ خود تنہا ہی سب کچھ کرتا ہے۔ظفر اعوان نے اپنی شاعری میں تنہائی کے موضوع کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔وطن سے دور تنہا بہت سے ایسے مقام آتے ہیں کہ لگتا ہے اب بس ہوگئی اس سے آگے مزید کوشش نہیں کی جا سکے گی۔غیر ملک کی مشکلات کے ساتھ تنہائی کا عذاب جو جھیلتے بس وہی جانتے ہیں۔ظفر کی شاعری بہت سے تنہا حالات سے لڑنے والوں کی ترجمان ہے۔

یاد:

یادِ ماضی پرانی روایات سے وابستہ ہے۔ماضی کی داستانوں خیالوں میں کھوئے رہنا انہی پر نوحہ خوانی کرتے رہنا، گزرتے ہوئے لمحات، واقعات کی یاد دل میں بسائے رکھنا اور زندگی کے ہر پہلو میں اسی کو بیان کرنے کا نام یاد ہے۔کبھی کبھی لوگ ماضی کی خوش حالی سے حال کی مصیبتوں کا موازنہ کر کے بھی روتے ہیں۔یاد انسان کو ماضی میں گم کر دیتی ہے۔

کوئی بچپن کو یاد کرتا ہے تو کوئی محبوب کی اداؤں اور اس کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات کو یاد کرتا ہے کوئی اپنے دوستوں کو یاد کرتا ہے تو کوئی یادِ ماضی میں خوشحالی کو یاد کرتا ہے۔ ظفر کو اپنا پرانا گھر اس کا صحن، برآمدہ، کمرے اس کے درودیوار سب یاد آتے ہیں۔ یورپ میں نئے گھر میں مقیم ہونے کے باوجود اکثر پُرانا گھر جس سے بچپن کی یادیں وابستہ ہیں یاد آتا ہے۔ وہاں کے لوگوں کی محبت ان کا میل جول سب یاد آتا ہے۔ ظفر بھی دیارِ غیر میں بیٹھے اپنے ملک کو ان الفاظ میں یاد کرتے ہیں:

وہاں جتنے حوالے تھے، محبت کرنے والے تھے
وہ اتنے پیار سے لوگوں کا ملنا یاد آتا ہے [۱۷]

ظفر کو اپنے گھر اپنے وطن سے بے پناہ محبت ہے۔ اپنے لوگوں کا پُرخلوص میل ملاپ ان کی محبت ظفر کو آج بھی یاد ہے۔ ان کا محبت سے ملنا، حال احوال بتانا اور پوچھنا اور بالخصوص وقتِ رُخصت ان کی ہمدردی اور خلوص سے لبریز پُرنم آنکھیں بھلائے نہیں بھلتی۔ آنسو آنکھوں سے ضرور بہتے ہیں لیکن یہ دل کے جذبات کی سچائیوں اور محبتوں کے عکاس ہوتے ہیں۔ ہر انسان کی سب سے خوبصورت یادیں اس کے بچپن سے جُڑی ہوتی ہیں۔ عمر کا چاہے کوئی بھی حصہ ہو بچپن کی یاد آتے ہی واپس اسی دور میں لوٹ جانے کا دل کرتا ہے۔ گزرتے وقت کے ساتھ اکثر رہائش کی جگہیں بدلتی رہتی ہیں لیکن جہاں بچپن گزرا سب سے زیادہ یاد اسی جگہ کی آتی ہے۔ ہم جوانی میں بھی بچپن کے جھولے کو دیکھیں تو واپس بچپن میں کھو جاتے ہیں۔ ظفر نے خوبصورت الفاظ کا سہارا لے کر، انتہائی دلکش انداز میں یادوں کے سفر کو بیان کیا ہے۔

حب الوطنی:

ظفر اعوان محبِ وطن شاعر ہیں۔فکرِ معاش نے انہیں اپنے وطن سے دور ضرور کر دیا لیکن ان کا دل اپنے ملک میں ہی کہیں اٹکا ہوا ہے۔آج بھی وہ بچوں کو لے کر چھٹیاں گزارنے کے لئے پاکستان ہی آتے ہیں۔اپنے ملک کے گلی کوچوں سے، اپنے وطن کی مٹی سے، یہاں کی ثقافت سے، یہاں کے لوگوں سے ظفر کو خاص محبت ہے۔ظفر کو ایسا لگتا ہے کہ ان کی روح کہیں نہ کہیں پاکستان میں ہی گم ہے۔

گاؤں اور شہر میں بنیادی فرق یہ ہے کہ گاؤں میں لوگ زیادہ تر مخلص ہوتے ہیں جبکہ شہر میں اکثریت مفاد پرست اور مطلب پرست لوگوں کی ہوتی ہے۔ایسے لوگوں کی بھیڑ بھاڑ میں جب سچے اور اچھے لوگوں کی یاد آتی ہے تو گاوں کے کچے پکے راستوں میں گزارا ہوا بچپن یاد آتا ہے، ان گلیوں میں کھیل کود کی یاد زندگی کی تلخیوں کو ماند کر دیتی ہے۔ظفر کے مجموعہ کلام آرزوئے سحر سے شعر ملاحظہ کریں:

مجھے گاؤں کی کوئی چیز بھی بھولی نہیں اب تک
پرندے، پیڑ، جھلیں اور نلکا یاد آتا ہے [۱۸]

ظفر اپنے وطن کی ہر چھوٹی بڑی چیز اور اس سے وابستہ یادوں کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ظفر کو اپنے وطن اپنے گاوں سے بہت لگاؤ ہے۔اتنے سالوں سے یورپ میں مقیم ہونے کے باوجود وہ اپنے گاؤں کی یادوں سے جڑے ہوئے ہیں۔گاؤں کے درخت جن کی چھاؤں میں اپنے دوستوں کے ہمراہ کھیلا کرتے تھے، وہ نلکوں سے پانی پینا سب انہیں بہت یاد آتا ہے۔ہر سہولت ہر آسائش ہونے کے باوجود گاؤں کی زندگی، اپنوں کا ساتھ اور وطن کی مٹی کی خوشبو ظفر کچھ بھی فراموش نہیں کر پائے۔بچپن کا دور اور اس سے جڑی سب

یادیں اس قدر حسین ہوتی ہیں کہ انسان عمر کہ کسی بھی حصے میں کیوں نہ ہو وہ اپنے بچپن کو کبھی فراموش نہیں کر پاتا۔

ظفر کو اپنے بچپن کی یادوں سے کچھ زیادہ انس اس لئے بھی ہے کہ ان کا بچپن ان کے پیارے دیس میں گزرا ہے اور ظفر کو اپنے دیس سے بے پناہ محبت ہے۔ اپنے وطن میں آزادی سے زندگی گزاری جاتی ہے وہ بادشاہوں جیسی ہے جبکہ وطن سے دور زندگی کو ظفر غلامی کے مترادف گردانتے ہیں۔ ان خیالات کو شاعری کی زبان میں ظفر نے کچھ یوں سمویا ہے:

زندگی دور وطن سے ہے غلامی کوئی
شور میں رہ کے ظفر آہٹوں سے ڈرنا ہے [۱۹]

غیر وطن میں غلاموں کی سی زندگی ہو کر رہ جاتی ہے۔ ان کی شور مچاتی، بارونق اور مصروف زندگی میں انسان خود کو بہت اکیلا محسوس کرتا ہے۔ ہر لمحہ اس خوف میں مبتلا رہتا ہے کہ نہ جانے اگلے ہی لمحے انجان وطن میں کون سا حادثہ پیش آجائے یا کس غلطی کے جرم میں کب دھر لیے جائیں گے۔ اس لئے ہر قدم پر یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کسی قانون کی خلاف ورزی نہ ہو جائے یا کہیں کوئی کوتاہی نہ ہو جائے۔ مجرم نہ ہونے کہ باوجود بھی ایک عجیب سا خوف ہر وقت دل میں رہتا ہے اور جب جب یہ خوف حاوی ہوتا ہے اپنے وطن کی یاد تب اور بھی زیادہ بے چین کرتی ہے کہ اپنا آزاد خوبصورت جان سے پیارا ملک چھوڑ کر ہم مجبوریوں کے مارے یہاں غلاموں کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔

ہجرت کے دُکھ:

ظفر اپنے اور وطن سے فکرِ معاش کی مجبوری میں بسنے والے باقی تمام لوگوں کے

جذبات کی ترجمانی اپنے اشعار کے ذریعے کرتے ہیں۔ ان کے الفاظ محض الفاظ نہیں بلکہ ان کی آپ بیتی بیان کرتے ہیں۔ غیر ملک میں نئے جانے والوں کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک طرف اپنوں سے جدائی کا دکھ دل میں ہوتا ہے تو دوسری طرف دماغ میں ذریعہ معاش کی تلاش کی فکر۔ ہجرت تو ہر حال میں بہت مشکل ہوتی ہے خواہ وا پنے ہی وطن میں ایک شہر سے دوسرے شہر تک کی ہی کیوں نہ ہو۔ ہجرت کا دکھ ظفر کی زبانی اس شعر میں ملاحظہ کریں:

اس لئے پار سمندر کے میں آیا ہوں
زخمِ غربت ہے مرا جس کو مجھے بھرنا ہے [۲۰]

ظفر اعوان کہتے ہیں کہ سمندر پار اپنے عزیز وطن سے دور روزگار کی تلاش میں لوگ اپنے پیاروں کو پیچھے چھوڑ کر غیر ملکوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اس کا مقصد سیر وتفریح اور عیاشی نہیں ہوتا بلکہ یہ غربت ہے جو انسان کو یہ مشکل فیصلے کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ غربت انسان کی زندگی میں بہت سے دکھوں اور غموں کو جنم دیتی ہے اور ان کی روح تک کو چھلنی کر دیتی ہے۔ ان دکھوں کو مٹاتے مٹاتے وہ اور کتنے زخم جھیلتے ہیں اس کا شمار کوئی اور تو کیا وہ خود بھی نہیں کر پاتے۔ ہجرت کی مجبوریاں ایسی ہوتی ہیں کہ کیسے بھی حالات ہوں جانا لازم ہوتا ہے۔ غربت جو زخم دیتی ہے وہ کیسے سلتے ہیں یہ غریب ہی جانتے ہیں۔

ظفر جب اپنے وطن آتے ہیں تو واپس جانے کو جی نہیں چاہتا، لیکن مجبوریاں اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ جانا بھی ناگزیر ہوتا ہے اور رکنا بھی محال ہوتا ہے۔ اکثر تو اپنے چھوٹے بچوں کو بلکتا اور کچھ نئی نویلی دلہنوں کو چھوڑ کر یوں نکلتے جیسے جنگ پہ جانے کے لئے سپاہی نکلتے ہیں۔ روزگار کی تلاش میں نکلے ہوئے یہ لوگ بھی تو اپنے گھروں کے سپاہی ہی

ہوتے ہیں۔ظفر اپنی اور اپنے جیسے پردیسیوں کی انہی اذیتوں کا ذکر ان اشعار میں کر رہے ہیں:

غریب کا میں ظفر لہو ہوں
سو یونہی بیکار بہہ رہا ہوں[۲۱]

ظفر وطن سے دوری اور پرائے دیس میں ملنے والے دکھوں سے اکثر دلبرداشتہ بھی ہو جاتے ہیں۔ان کے ساتھ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ وہ دوسروں کی تکالیف کو بھی اپنے جتنا ہی محسوس کرتے ہیں۔ پردیس میں اکثر اپنے ملک کے غریبوں کے مشکل حالات دیکھ کر ظفر کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔انہیں لگتا ہے کہ ان کا قصور صرف یہ ہے کہ یہ لوگ غریب ہیں اس لیے یہ یہاں پردیس میں اپنا خون پسینہ بہا رہے ہیں۔ظفر کو لگتا ہے کہ اپنے ملک میں رہنے والے کبھی پردیسیوں کی مشکلات اور ان کے دُکھوں کو نہیں جان سکتے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنے ملک میں ہیں اور پردیس کی اذیتیں پردیس جھیلنے والے ہی جان سکتے ہیں۔ظفر اس شعر میں حکمرانوں سے شکایت کرتے بھی نظر آتے ہیں کہ غریب کا خون اتنا سستا آخر کیوں ہے کہ وہ اپنے ملک میں بہے یا غیر میں کسی کو کوئی فرق نہیں سوائے اس کے اپنوں کے۔

زندگی:

زندگی وقت کے ایسے حصے کا نام ہے جس میں آپ شعور کی آنکھ سے اپنے آس پاس کو محسوس کر سکتے ہیں۔زندگی کو کیسے خوبصورت بنایا جائے؟ یہ سوال ہر ذہن میں اٹھتا ہے۔ عموماً کہا جاتا ہے کہ زندگی کی اصل خوبصورتی یہ نہیں کہ آپ کتنے خوش ہیں بلکہ اصل خوبصورتی تو یہ ہے کہ آپ کے آس پاس کے لوگ آپ سے کتنے خوش ہیں۔زندگی کو رے

کاغذ کی مانند ہوتی ہے جس پر ہم وقت کی سیاہی سے اپنے غم اور خوشیاں لکھتے ہیں۔اس لمحہ بہ لمحہ بدلتے احوال میں زندگی کے خوشگوار لمحات کو سنہرے حروف سے لکھنا چاہیئے تاکہ اس کی خوبصورتی کا احساس اس سے جڑی بے شمار کمیوں کے باوجود سلامت رہے۔زندگی کی روانی کو اپنے مجموعہ آرزوئے سحر میں ظفر کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

فاصلے ہیں منزلیں ہیں کارواں ہے زندگی
ایک پل رُکتی نہیں ہر دم رواں ہے زندگی[۲۲]

زندگی ایک متحرک عمل ہے۔ زندگی میں روانی ہر وقت جاری ہے۔اپنوں سے فاصلوں کے باوجود زندگی اپنی راہ پر رواں دواں ہے۔کوئی آپ کے ساتھ ہو ساتھ چھوڑ جائے زندگی کی روانی میں چنداں فرق نہیں پڑتا۔زندہ انسان کو لگتا ہے کہ اس کے بغیر فلاں کام نہیں ہوسکتا، وہ نہیں ہوگا تو سب رک جائے گا۔یہ حقیقت تب کھلتی ہے جب اس کی غیر موجودگی میں باقیوں کی زندگی اسی طرح رواں دواں رہتی ہے۔یہی زندگی کی حقیقت ہے اور یہی اس کا اصول ہے۔

زندگی نام ہے آزمائش اور امتحان کا۔زندگی میں کامیابی کا راز یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق گزاری جائے اور ہر کام سوچ سمجھ کہ کیا جائے۔زندگی کسی کے لئے سبز باغ ہے اور کسی کے لئے کانٹوں کی سیج۔اس تلخ حقیقت کو بڑی خوبصورتی سے ظفر نے اپنے شعر میں کچھ یوں بیان کیا ہے:

اک طرف ظلم وستم جاری ہیں اتنی کے دیر سے
اک طرف حد سے زیادہ مہرباں ہے زندگی[۲۳]

ظفر اپنے اس شعر میں زندگی کی حقیقت کا ذکر کیا ہے کہ کسی کی زندگی خوشحالی سے بھر پور ہے تو کسی کی تنگدستی اور دکھوں کا شکار ہے۔ یہ زندگی ہر کسی کے لئے الگ روپ دھارے ہوئے ہے۔ظفر کہتے ہیں کہ کہیں امراء امیر سے امیر تر ہوتے جا رہے ہیں اور دوسری طرف غربا غریب سے غریب تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔کہیں کسی پر زندگی بہت مہربان ہے تو کہیں کسی پر اس کے مسلسل ستم جاری ہیں۔آج کا انسان زندگی کے ایک ایسے موڑ سے گزر رہا ہے جس میں ظلم وستم کا بازار گرم ہے معاشرتی اور سماجی بُرائیاں عام ہیں۔مفاد پرستی اور منافقت بہت زیادہ ہے مگر اس کے باوجود ایک طرف ایسے لوگ بھی ہیں جو انسانوں کے ہمدرد ہیں اور مخلص ہیں ایک طرف سکون ہی سکون ہے اور ایک طرف زمانے کی سختیاں جھیلنا پڑ رہی ہیں۔

ہر انسان جب عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو اسے سمجھ آنا شروع ہوتی ہے کہ زندگی چیز کیا ہے۔کوئی اپنی زندگی میں خوش باش ہے تو کسی کی زندگی میں غم ہی غم ہیں۔ ہر قدم پہ نیا موڑ، نئے لوگ اور نئے واقعات آپ کے منتظر ہوتے ہیں۔زندگی انسان سے بار بار امتحان لیتی ہے۔اس لئے ہر قدم سوچ سمجھ کر رکھنا پڑتا ہے۔ذرا سی غلطی پر انسان کو بھاری نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

نظم:

نظم کے لفظی معنی موتیوں کو ایک لڑی میں پرونے کے ہیں۔اصطلاحِ شعر میں اس سے مراد اشعار کو ایسے مجموعے میں لکھنا جس میں صرف ایک ہی خیال ادا کیا گیا ہو۔اشعار کے زیادہ ہونے یا کسی نئی ضرورت کے تحت خیال کی تدریج کو ظاہر کرنے کی غرض سے اشعار کو مختلف حصوں میں بانٹ دیا جاتا ہے۔غزل کے مقابلے نظم میں ایک ہی خیال اور

ایک ہی معنی کی وضاحت کی جاتی ہے۔اس کے لیے نہ کوئی ہیت مقرر ہے اور نہ ہی اس میں اشعار کی تعداد پر پابندی ہے۔سنبل نگار نے نظم کی تعریف اس طرح کی ہے:

"نظم شاعری کی وہ شکل ہے جس میں کوئی قصہ، کوئی واقعہ، کوئی تجربہ اور کوئی خیال تسلسل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ ۲۴"

نظم زندگی کے کسی بھی موضوع پر کہی جاسکتی ہے۔نظم کا موضوع انسان کی زندگی کا کوئی اہم واقعہ، کوئی تلخ حقیقت، کوئی آوارہ خیال، کوئی بھٹکی سوچ نیز انسان کی زندگی کے کسی بھی پہلو کے بارے میں ہوسکتا ہے۔نظمیہ شاعری میں واقعات کو تفصیل اور پورے تسلسل کے ساتھ روابط قائم رکھ کہ بیان کیا جاتا ہے۔نظم کے معنی پرونے اور یکجا کرنے کے ہیں۔اس میں واقعات اور تجربات کی تمام کڑیوں کو اشعار کی صورت میں ایک لڑی کی طرح پرویا جاتا ہے۔نظم خارجی شاعری سے تعلق رکھتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شاعری کی ذات اور اس کے اندر کی دنیا سے کم اور باہر کی دنیا سے زیادہ متعلق ہوتی ہے۔ ہیت کے اعتبار سے اردو نظم کی پانچ اقسام ہیں جن میں آزاد نظم، طویل نظم، نثری نظم، پابند نظم اور معرا نظم شامل ہیں۔اردو نظم کے اشعار کی ترتیب اور تعداد کے لحاظ سے دس اقسام ہیں جن میں مستزاد، ترکیب بند، مسمط، ترجیع بند، مربع، مثمن، مسدس، مثلث، معشر اور متع شامل ہیں۔

اگرچہ اردو کے دکنی دور میں بے شمار موضوعاتی نظمیں لکھی گئی ہیں۔اور دکن کے علاوہ شمالی ہند کے بہت سے غزل گو شاعروں نے، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی اور دیگر متعین موضوعات پر شعر کہے ہیں مگر صحیح معنوں میں اردو نظم کا آغاز نظیر اکبر آبادی سے ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اردو نظم کے بانی ہیں بلکہ انکی نظموں کے موضوعات میں تنوع، وسعت اور رنگارنگی ہے۔

جدید ادو نظم کا وہ پودا جسے آزاد اور حالی نے لگایا تھا اور اس کی آبیاری میں اکبرالہ

آبادی، اسماعیل میرٹھی اور علامہ اقبال جیسے شعرا کا ہاتھ ہے تو اسے پروان چڑھانے میں میراں جی اور ن م راشد نے بھی اپنا حصہ ڈالا اور اس کی تراش خراش کر کے اس کو ایک مظبوط تناور درخت بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی کے شعرا نے آزاد نظم کو اپنے اظہار کا سب سے اہم اور مقبول ذریعہ تصور کیا اور جان بوجھ کر آزاد نظمیں لکھنے سے گریز کیا ان شعرا کی کوشش سے ہی پہلی بار اردو شاعری میں وسیع پیمانے پر آزاد نظمیں لکھی گئیں۔ دور حاضر میں جیسے جیسے فرد کی سوچوں کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور ماحول پہ اس کی اثر پذیری بڑھتی گئی۔ اردو نظم کے افق پھیلتے گئے ہیں اور وہ نظم جو پہلے صرف خارجی شاعری کا کمال سمجھی جاتی تھی اب خارجیت کے ساتھ داخلیت کی بھی عکاسی کرنے لگی ہے۔

غمِ دوراں کے ساتھ غمِ جاناں بھی اس میں سما گیا ہے اور وہ جگ بیتی کے ساتھ ساتھ آپ بیتی کی بھی جھلکیاں پیش کرنے لگی ہے۔ اس ضمن میں ساحر لودھیانوی، مجاز لکھنوی، علی سردار جعفری، جانثار اختر اور دیگر ترقی پسند شعرا کی نظمیں بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔ جنہوں نے مختلف مجلسی یا معاشرتی ناہمواریوں کو موضوئے سخن بنایا ہے۔ اردو شاعری اور خاص طور پر اردو نظم نے ترقی پسند تحریک میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ ادب، اسلوب، ہیئت، موضوع، سانچہ، تعداد اور اشعار میں وسعت دیکھنے کو ملی اور نظم کو ایک الگ مقام ملا۔ ن م راشد، تصدق حسین، حفیظ جالندھری اور مجید امجد اس دور کے قابلِ ذکر شاعر ہیں۔

تیری یاد:

یادیں بھی کچھ عجیب چیز ہوتی ہیں۔ جو پرانی ہوتی ہیں وہی یادیں کہلاتی ہیں کیونکہ نئی تو کوئی یاد نہیں ہوتی۔ لیکن یاد پھر بھی کیا عجیب چیز ہے، ہنساتی ہے، رُلاتی ہے۔ کبھی کبھی مر جانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ کچھ یادیں انسان کی زندگی کا حصہ بن جاتی ہیں۔ کچھ یادیں

اچانک آتی ہیں اور تند و تیز آندھی کی طرح سب کچھ اپنے ساتھ اُڑا کر لے جاتی ہیں۔ دوست کی یاد بہت رلاتی ہے تو رقیب کی یاد بہت جلاتی ہے۔ اور محبوب کی یاد بہت تڑپاتی ہے۔ اگر یہ تینوں اکٹھی ہی آجائیں تو انسان اپنے اندر مر جاتا ہے۔ بظاہر زندہ نظر آتا ہے لیکن ایک لاش کی طرح۔

یہ جاڑے کی ہوا میں سوکھے
پتوں کا بکھرنا بھی
مزہ جو ہے
وہ اپنے ساتھ لائے ہیں
تری یادیں۔۔۔۔۔۔ ۲۵؎

''تیری یاد'' ظفر اعوان کی بہت خوبصورت نظم ہے۔ جس کا عنوان بھی یاد ہے۔ یاد بہت کچھ آتا ہے اور پھر اچانک سب کچھ بھلا دیتا ہے۔ اس نظم میں ظفر اعوان کہتے ہیں کہ یاد انسان کو تب آتی ہے جب اس کے سامنے کوئی واقع رونما ہوتا ہے جو ماضی سے جڑا ہو۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ موسموں کی آمد سے انسان کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ اور انسان گزرے ہوئے لمحات میں کھو جاتا ہے۔

جب بہار کا موسم آتا ہے انسان دلکشی اور رنگینی کو یاد کر کے کسی کو یاد کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح جب خزاں کا موسم آئے تو پھر بھی انسان یاد میں کھو جاتا ہے۔ سخت سردی میں بھی جب درختوں کے پتے گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ انسان تنہائی محسوس کر کے کسی یاد میں کھو جاتا ہے۔ بارش کا موسم بھی انسان کو یادوں کے نگر میں لے جاتا ہے اور وہاں انسان کبھی خوش رہتا تو کبھی غمگین ہو جاتا ہے۔ موسم جیسا بھی ہو بہت سی یادیں اس سے وابستہ ہوتیں

ہیں۔ جب انسان کہیں گھومنے جاتا ہے اور پہاڑوں کی چوٹیوں کو دیکھتا ہے تو پھر پرانی یادوں میں کھو جاتا ہے۔گزرے ہوئے لمحات کا عکس تازہ ہو جاتا ہے۔گزرا ہوا وقت اچھا ہو یا برا یاد ضرور آتا ہے فرق بس اتنا ہے اچھے وقت کی یادیں باعثِ مسرت ہوتیں ہیں اور برے وقت کی یادیں باعثِ تکلیف۔

انا:

انسان کی اپنی اہمیت اور قابلیت کے بارے میں رائے کا نام"انا" ہے جس میں اکثر اوقات انسان اپنے آپ کو بہت اہم تصور کرتا ہے۔ انا پرست افراد معاشرے میں اکثر دکھائی دیتے ہیں جو کہ اپنے رویئے سے نہ صرف اپنی زندگی میں بلکہ دوسروں کی زندگی میں بھی بے سکونی کا سبب بنتے ہیں۔شاعری میں تقریباً تمام شعراہی اپنے محبوب سے اس کی انا اور ضد کا گلہ کرتے نظر آتے ہیں:

ہاتھ کی لکیروں میں
ڈھونڈتا جو تو مجھ کو
تو میں مل ہی جاتا پھر
دل کی اس ہتھیلی پر ۲۶؎

ظفر اعوان نے انا کے موضوع پر ایک خوبصورت نظم لکھی جس میں وہ اپنے محبوب سے شکوہ کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنی انا کو بالائے تاک رکھ کہ اسے پانے کی سعی کرتا، اسے ڈھونڈتا تو میں کہیں دور نہ تھا میں تو یہیں اس کے آس پاس تھا۔اس کے ہاتھوں کی لکیروں، دل کے دریچوں، دھڑکنوں میں بس تم ہاتھ اپنے دل پہ رکھتے اور مجھے محسوس کرتے تو وہیں پاتے مگر ایسا ممکن نہ ہو سکا فقط تمہاری انا کی وجہ سے تم نے مجھے پانے کی کوشش ہی نہ کی۔

محبت کرنے والوں کو پا لینا کچھ مشکل کام نہیں بشرطیکہ اس کی کوشش اس کا ارادہ تو کیا جائے۔ محبت کرنے والے تو محبوب کے ساتھ سائے کی طرح ہوتے کہیں بارش کی بوندوں میں، کہیں بادلوں میں اور کہیں اڑتی ہواوں میں۔ لیکن افسوس کے محبوب کی انا ہر احساس کے آڑے آجاتی ہے اور وہ اس جھوٹی انا کو مقدم کر کے محبت کرنے والوں کے نام جدائی کے غم مقدر کر دیتے ہیں۔ ظفر اس نظم میں اپنے محبوب سے مخاطب ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب تمہاری انا اور غرور کا انجام ہے جو آج ہمارے درمیان فاصلے ہیں اور مجھے تو یہ لگتا ہے کہ تمہیں مجھ سے اور میرے نام تک سے ایک ضد تھی ایک چڑ تھی۔ تمہیں میرا نام تک سننا گوارہ نہ تھا۔ اب میں سوچتا ہوں تو لگتا ہے تم ٹھیک تھے شائد، تمہارا میرا جوڑ ہی کیا تھا بھلا کہاں تم آسمان کا چاند اور کہاں میں زمیں کی خاک۔ دکھ تو اس بات کا ہے کہ تمہیں مجھ سے محبت تو نہ ہو سکی مگر ضد ہو گئی اور اس ضد میں تم نے مجھے گنوا دیا۔

اکثر ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ محبت کرنے والوں کے درمیان زمانہ رکاوٹ بنتا ہے لیکن ظفر اپنے محبوب سے گلہ کرتے ہیں کہ ہمارے درمیان زمانہ کبھی تھا ہی نہیں ہمارے درمیان آئی تو تمہاری جھوٹی انا اور اس نے ہمارے درمیاں میلوں کے فاصلے پیدا کر دیئے۔ جو بھروسہ جو اعتماد مجھے تمہاری محبت پر تھا وہ تم نے اپنی ضد اور انا کی بھینٹ چڑھا دیا۔ میرا جو مان تھا وہ تم نے اپنے غرور اور انا کی نذر کر دیا۔ بدلتے وقت اور اس کے ساتھ بدلتے تمہارے رویوں نے مجھے محبت کے نام سے بھی نفرت کروا دی ہے مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ محبت صرف ماورائی دنیا کی تخلیق ہے اور حقیقی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ محبت انسان پر صرف بوجھ ہے اور میرا حاصل محبت یہ رہا کہ اب میں محبت کے نام سے بھی چڑ گیا ہوں۔ جہاں بھی یہ لفظ سننے کو ملے میرے لبوں سے مسکراہٹ غائب ہو جاتی ہے تو

خاتمہ محبت یوں ہوا کہ محبت انا کی بھینٹ چڑھ گئی اور اس کا وجود میرے دل سے میری زندگی سے ختم ہو گیا اب تم بھی ملن کی کوئی آس امید اپنے دل میں باقی مت رکھنا۔

آوارہ سا خیال:

خیالات کی دنیا بھی ایک الگ ہی دنیا ہوتی ہے۔ انسان اپنے خیالات میں ایک ایسی دنیا بسا لیتا ہے جس کا حقیقت سے کوئی دور دور تک تعلق نہیں ہوتا۔ زندگی میں انسان کے بہت سارے خواب ہوتے ہیں لیکن ان میں سے بہت سارے خواب، خواہشات اور ارما ن ادھورے رہ جاتے ہیں۔ جنہیں انسان اپنے خیالات کی دنیا میں پورا ہوتے دیکھتا ہے۔ انسان جب سوچتا ہے تو سوچوں میں گم ہو کر رہ جاتا ہے کہ کیسی عجیب زندگی ہے سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا ہو رہا ہے زندگی کس موڑ کی طرف لے کر جا رہی ہے۔ انسان سوچتا ہے کہ میں نے آج تک کیا چاہا تھا، کیا پایا اور کیا کچھ کھو دیا ہے۔ انسان کی سوچوں میں امید ہی ایسی چیز ہے جو اس کو خوشی دیتی ہے۔ ایسی ہی ایک خوشی کا اظہار ظفر اپنی نظم میں کرتے ہیں:

آج میں تنہا اور اکیلا
نہ جانے کیوں سوچ رہا ہوں
اس کے دل میں بھی
میری صورت ہے شاید ۲۷؎

ظفر کہتے ہیں کہ میرے ذہن میں اچانک ایک خیال گردش کرنے لگتا ہے کہ میں تو اکیلا ہوں تنہا ہوں لیکن اس دنیا کے کسی کونے میں کوئی ایسا شخص، ایسی خاص ہستی یعنی میرا محبوب موجود ہے جو کہ مجھے یاد کرتا ہے۔ شاید کے اس کی آنکھوں کے سیاہ رنگ میں کہیں میری صورت تیرتی ہوگی۔ میں کہیں اس کی سوچوں کے دریچوں میں آتا جاتا ہوں گا۔ شاعر

ان خیالات سے اپنے دل کو تسکین دیتے ہیں کہ بھلے ہی اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے لیکن اب کہ جب راتوں میں بستر پہ لیٹ کر کروٹیں بدلتا ہوگا تو اس کے رت جگوں کی وجہ میری یاد ہو گی۔ میری صورت کو یاد کر کے شاید وہ آنسوؤں کے ہار پروتا ہوگا۔

یہ خیالات ہی ہیں کہ انسان ہر ناممکن کو بھی ممکن سمجھ بیٹھتا ہے۔ کچھ ایسا ہی حال شاعری میں شاعر کا ہوتا ہے وہ اپنے محبوب کے سارے ظلم وستم اور ہر بے رخی کو بھلا کر یہ خیال یہ وہم اپنے دل میں پال لیتا ہے کہ شاید وہ بھی آج تک میری راہیں راہ دیکھ رہا ہو، شاید کہ اسے بھی میرا انتظار ایسے ہی ستاتا ہو جیسے کہ میں اس کے انتظار میں تڑپ رہا ہوں۔

شاعر خود کو اس خیال سے تسلی دیتا ہے کہ میرا محبوب بھی دل ہی دل میں مجھ سے ملنے کی تڑپ رکھتا ہے لیکن زمانے کے خوف سے اظہار سے ڈرتا ہے اور اپنے دل میں ہی میری محبت کو بسائے بیٹھا ہے۔ شاعر خود کو اس خیال سے تسکین دیتا دکھائی دیتا ہے کے شاید میرا محبوب میری صورت آنکھوں میں بسائے خود سے ہی ہمکلام ہو کر اپنی ساری کہانی خود سے ہی کہہ دیتا ہو۔ آخر میں ایک ٹھنڈی آہ بھر کے خود کو حقیقت کے آئینے کے روبرو کر کے شاعر کہتے ہیں کہ کاش ایسا ممکن ہوتا، کاش جو میرا خیال ہے وہ حقیقت ہوتا لیکن ہائے ری قسمت ایسا نہیں ہوسکتا، ایسا نہیں ہوسکتا۔

اور تم میرے نہیں:

اکثر پیار کرنے والوں کا مقدر جدائیاں ہی ٹھہرتی ہیں۔ سب حیلے، ہر طرح کے وسائل استعمال کرنے کے بعد آخر میں اکثر عاشق یہی کہتے دکھائی دیتے ہیں کہ ہمیں دنیا میں سب کچھ مل گیا ہر شے حاصل ہو گئی بس محبوب کا ساتھ نہیں حاصل ہوا جس کے لیے ہم ترستے رہ گئے ہیں۔ کچھ ایسا ہی حال ظفر اپنی اس نظم میں بیان کرتے ہیں جس کا عنوان ہی

انہوں نے "اورتم میرے نہیں" رکھ ڈالا۔ ظفر کی شاعری بہت سادہ ہے اور عام فہم ہے یہ اس کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ وہ اپنے عام الفاظ کے ذریعے لوگوں کے خاص جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں:

چاندنی راتیں ہیں
تاروں کی باتیں ہیں
یادوں کی برساتیں ہیں
اورتم میرے نہیں ۲۸؎

ظفر کہتے ہیں وہی راتیں، راتوں کی ٹھنڈک، چاند اور اس کی چاندنی سب کچھ میسر ہے۔ چاندنی راتیں ان عاشقوں کے لئے اکثر بھاری ہوتی ہیں جن کے محبوب ان سے دور ہوں۔ ظفر بھی اپنے اشعار میں ایسے ہی حالات کا ذکر کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ چاندنی راتیں بھی ہیں، تارے بھی ہیں اور یادوں کا بھنور ہے جس میں غوطہ زن ہونے کے بعد جب ہوش آتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ تم میرے محبوب میرے ہم دم تم نہ تو میرے ہو اور نہ ہی میرے پاس ہو۔

اسی طرح محبوب کی یادوں میں آہیں نکلتی رہتی ہیں لیکن زندگی ہے کہ جہد مسلسل کی طرح چلتی ہی رہتی ہے۔ سانسوں کا کارواں رواں دواں رہتا ہے،۔ راستے، منزلیں سب بدل جاتی ہیں لیکن اس سب سے بس زندگی میں یہ فرق آجاتا ہے کہ جذبات ماند پڑ جاتے ہیں۔ پھر کوئی خوشی خوشی نہیں لگتی اور محبوب کے نہ ملنے کے بعد اس سے بڑا کوئی غم بھی نہیں لگتا۔ ایسا لگتا ہے کہ زندگی اب یونہی چلتی رہے گی یہاں کوئی روشنی کوئی سویرا اب نظر آنے والا نہیں۔

ظفر آخر میں نا امیدی کی چادر اوڑھے یہ سوچتے ہیں کہ شاید اسی کا نام زندگی ہے۔ یہی روگ اب زندگی کا اثاثہ ہے۔ یہاں غموں کا ملنا ہی سنجوگ کا نام ہے اور اب اس سوگ وغم میں یہ عمر بیت جائے گی کہ ہماری زندگی میں خوشیوں کی کوئی امید بھی باقی نہیں ہے۔

خوش فہمی:

خوش فہمی ان خیالات کا نام ہے جن کے سوچنے سے انسان کو خوشی ملتی ہے۔ عشق و محبت میں عاشق اکثر اپنے دل کو خوش فہمی کے دلاسوں سے ہی تسلی دیتے ہیں۔ محبوب کی طرف سے کی گئی بے اعتنائیوں اور عدم توجہ کو بھی پیار سمجھتا رہتا ہے۔ وہ حسرتیں جن کا حصول ممکن نہیں ہوتا اور اس حقیقت سے انسان کا ذہن آشنا بھی ہوتا ہے لیکن پھر بھی ان کی تکمیل کی خوش فہمیوں کو دل سینچ سینچ کر رکھتا ہے۔ اپنے جذبات کے پانی سے ان خوش فہمی کے پودوں کو سیراب کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح کی خوش فہمی کو ظفر نے موضوع سخن بنایا ہے:

مری راہ پر
اس کے ہاتھوں سے
اک پھول شاید یونہی
گرا تھا ۲۹؎

ظفر کہتے ہیں کہ کہیں سرِ راہ محبوب کے ہاتھ سے کوئی پھول یونہی گر گیا اور میں پاگل دیوانہ اپنی سوچوں میں بھٹکتا ہوا اسے اٹھا لایا۔ اسے چوما، اسے صاف کیا اور سنوارا اس خیال اور خوش فہمی کے ساتھ کے یہ میرے محبوب نے مجھے دینے کے لئے میرے تک پہنچانے کے لئے وہاں جان بوجھ کے گرایا تھا۔ اسی گمان اور اسی خوش فہمی میں اس پھول کو آنکھوں سے لگائے کئی خواب آنکھوں میں سجا لیے۔ پھر اچانک سے خیال آیا کہ کہیں یہ

پھول مرجھا نہ جائے، اس کی خوشبو ماند نہ پڑ جائے اور اس کی رنگت کہیں پھیکی نہ پڑ جائے تو فورا مٹی کی صراحی لی اور اس میں اس پھول کو سنبھالا۔ پھر کئی روز تک اس کو باقاعدگی سے پانی بھی دیتا رہا اور بدلتا رہا لیکن آخر میں سوچنے کی بات تو یہی ہے کہ یہ سب ہے تو اس کے دل کی اک خوش فہمی اور خام خیالی۔ یہ خوش فہمیاں انسان کو خوشی تو دیتی ہیں لیکن وہ خوشی بہت عارضی ہوتی ہے کیونکہ جیسے ہی ذہن حقیقت کے آئینے میں جھانکتا ہے تو خوش فہمی کا شیشہ چکنا چور ہو جاتا ہے اور وہ انسان کو گہرے دکھوں میں دھکیل دیتا ہے۔

آرزوئے سحر ظفر اعوان کی شاعری کا پہلا مجموعہ ہے جو کہ 2004ء میں منظر عام پر آیا۔ اس کتاب میں نعتیہ محمدیہ کلام، غزلیں اور نظمیں شامل ہیں۔ یہ ظفر کی بہت ساری آرزوؤں، امیدوں اور خوابوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس کتاب کا عنوان ہی سحر ہونے کی امید دلا رہا ہے۔ آرزوئے سحر کا دوسرا ایڈیشن 2018ء میں منظر عام پر آیا۔ اس میں ظفر نے ہجرت کے ماروں کا دکھ بھی شامل کیا ہے۔ جو کہ ظفر نے 2006ء میں پردیس جا کر محسوس کی۔ اس لیے تو ان کی اس کتاب میں ہجرت اپنے دیس سے دوری اور صعوبتوں کا رنگ جھلک رہا ہے۔ ظفر نے ابھی چند غزلیں ہی کہیں ہیں جو کہ ان کے مجموعہ کلام آرزو سحر میں نظر آتیں ہیں۔ ظفر اعوان کے بارے میں ان کے ہم عصر شعراء کہتے ہیں کہ ظفر ہر شاعری میں معصوم اور خوبصورت احساسات کی ترجمانی بہت سادہ انداز سے کی ہے۔

ظفر کی شاعری اس بات کی خبر دے رہی ہے کہ ظفر انشاءاللہ مستقبل قریب کے کامیاب شاعر ہوں گے۔ ظفر کا پہلا شعری مجموعہ کا مطالعہ کرنے کے بعد شعراء ان کے اس طرح کے مزید شعری مجموعوں کے منتظر ہیں۔ ظفر اعوان نے اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ شاعری کو بھی جاری رکھا۔

انہوں نے اپنی بے حد لگن اور محنت سے کم عمری میں شاعری کے میدان میں قدم رکھ کر سب شعراء کو حیرت میں ڈال دیا۔ ظفر کی طبیعت میں ذمہ داری زمانہ طالبعلمی میں ہی اتنی زیادہ تھی کہ انہوں نے شاعری کی وجہ سے اپنی تعلیم میں کسی قسم کا کوئی حرج نہ آنے دیا بلکہ اسے ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ ظفر انتہائی کم گو شاعر ہیں بلکہ زیادہ باتوں سے بہت گھبراتے ہیں۔ اتنے حساس طبیعت کے مالک ہیں کہ کوئی بات کرنے سے پہلے یہی خوف محسوس کرتے ہیں کہ کسی کو یہ بات بری نہ محسوس ہو جائے۔

آرزوئے سحر میں ظفر اس بات کی امید دلاتے نظر آ رہے ہیں کہ غم کی رات چاہے کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو لیکن سحر لازم ہے۔ ظفر اعوان دورِ حاضر کے جدید شعراء کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ ظفر کا اسلوب ان کی شخصیت کا آئینہ ہے۔ ظفر نے اپنے اچھوتے اور اور دلکش اسلوب سے جدید شاعری کو نیا رنگ دیا ہے۔ کیونکہ ظفر دورِ جدید کے نوجوان شاعر ہیں۔

ظفر اعوان نے اپنی شاعری میں نظم کی بجائے غزل میں طبع آزمائی کی ہے۔ انہوں نے نظمیں بھی لکھیں ہیں مگر کم۔ ان کا زیادہ تر رجحان غزل کی طرف ہے۔ غزل عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے لغوی معنی عورتوں کے متعلق گفتگو کرنا ہے۔ غزل ایسی صنف شعر ہے جس میں میں حسن و عشق کی مختلف کیفیات کو بیان کیا جاتا ہے۔ ظفر بیرونِ ملک مقیم ہونے کے باوجود دین اسلام کا دل سے ادب کرنا اور اس دین اسلام کے مطابق اپنی اور اپنے بچوں کی زندگیوں کو چلانا اور سوارنا چاہتے ہیں۔ ظفر کے اب تک سات مجموعہ کلام شائع ہو چکے ہیں اور عوام میں مقبول بھی ہیں۔ ظفر نے اپنے تمام کلام کا آغاز حمدیہ کلام سے ہی کیا ہے کیونکہ بطور مسلمان ظفر کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ بس

یہ انسان کا نفس ہی ہے جو اسے دھوکہ دیتا ہے اور انسان اپنا اللہ تعالیٰ سے اپنا قریبی تعلق بھول جاتا ہے۔ یہی دنیا کا دھوکا ہے۔ حمد یہ کلام کے بعد ظفر نعت گوئی کی طرف رخ کرتے ہیں۔ ان کے دل میں عشقِ رسول بہت گہرائی تک ہے۔ اردو زبان کے ساتھ ساتھ عربی زبان اور فارسی زبان میں بھی شعرا نے نعت کہنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ نعت کیا ہے؟ اصل میں یہ ہمارے پیارے رسولؐ کے ساتھ محبت کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ محبت کے اظہار کی ایک شکل ہے۔ ظفر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کے بہت خواہشمند ہیں اور اس امید پر خوش ہیں کہ اللہ تعالیٰ جلد حاضری کا شرف عطا کرے گا۔ ظفر آرزوئے سحر میں اپنے حمدیہ اور پھر نعتیہ کلام بیان کرنے کے بعد غزل کی طرف اپنا رخ کرتے ہیں۔ وہ اپنے رب سے پرامید نظر آتے ہیں کہ جلد ان کا پیارا ملک ترقی کی راہ میں حائل تمام مشکلات کو عبور کر کے ایک کامیاب ملک کی صف میں کھڑا ہو جائے گا۔ انشاءاللہ کیونکہ ظفر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی انسان کو بے ہنر پیدا نہیں کیا بلکہ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور رکھی ہے جو اسے دوسرے انسان سے سے ممتاز کرتی ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات کا درجہ دیا ہے اور انسانوں میں مسلمان افضل ہیں۔ ظفر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے اندر چھپی صلاحیتوں اور طاقتوں کو پہچانا اور استعمال میں لانا ہوگا تا کہ ہمارا ملک بھی ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا ہو اور ہمیں بھی سہولیات اور چند پیسوں کی خاطر پردیس کی ٹھوکریں نہ کھانی پڑیں کیونکہ ایک طرف تو پردیس کی مشکلات برداشت کرنا ہوتی ہیں تو دوسری طرف اپنوں سے جدائی کا دکھ بھی برداشت کرنا ہوتا ہے۔ اپنے ملک میں اپنے چھوٹے بڑے سب رشتوں کو دل نہ چاہتے ہوئے بھی چھوڑ کر ہم یہاں ظلم زیادتی برداشت کرتے کرتے اپنی زندگیاں ختم کر دیتے ہیں۔

ظفر اپنے اس کلام آرزوئے سحر میں بہت پراُمید ہے اور اس امید کی کرن کو دوسروں کے دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ظفر کے مطابق ظلم، غم اور اندھیری رات چاہے کتنی ہی طویل، خوفناک اور کٹھن کیوں نہ ہو مگر مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبح کے اجالا ہونے کی امید ضرور رکھنی چاہیے۔ یہ دنیا تو قائم ہی امید پر ہے۔ اگر امید باقی نہ ہوتو کوئی کام بھی مکمل نہ ہو بلکہ کوئی انسان امید اور بہتری کے بغیر تو ترقی کا نیا کام شروع ہی نہ کرے۔ ظفر اپنے اچھے اخلاق کی بنا پر کہتے ہیں کہ بس ہمیں کسی کے ساتھ غلط نہیں کرنا چاہیے اگر کوئی ہماری راہ میں کانٹے بھی بچھائے تو بھی ہمیں پیارے نبیؐ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ان ظالموں کی راہ میں پھول ہی بچھانے چاہیے تا کہ ان کا دل نرم پڑ جائے اور دین اسلام کا نام روشن ہو۔ ظفر نے اس کتاب میں محبت، یاد، تنہائی، حب الوطنی، ہجرت کے دُکھ، زندگی امید اور بے شمار عنوانات پر بات کی ہے۔ المختصر ظفر اپنی اس کتاب ”آرزوئے سحر“ میں سحر طلوع ہونے اور اپنے معاشرے کی بہتری کے لیے پرامید نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات

1-ظفر اعوان، آرزوئے سحر، نستعلیق مطبوعات، لاہور، 2018ء، ص13

2-اقبال راہی، آرزوئے سحر، نستعلیق مطبوعات، لاہور 2018ء، ص14

3-، حسن عباسی، آرزوئے سحر، نستعلیق مطبوعات، لاہور، 2018ء، ص18

4-کامران ملک، آرزوئے سحر، نستعلیق مطبوعات، لاہور، 2018ء، ص23

5-ایضاً، ص28

6-ایضاً، ص31

7-ایضاً، ص55

8-رفیع الدین ہاشمی، اصناف ادب، سنگِ میل پبلیشرز، لاہور، 2012ء، ص25

9-ظفر اعوان، آرزووئے سحر، نستعلیق مطبوعات، لاہور، 2018ء، ص27

10-ایضاً، ص28

11-ایضاً، ص37

12-ایضاً، ص39

13-ایضاً، ص43

14-ایضاً، ص31

15-ایضاً، ص43

16-ایضاً، ص70

17-ایضاً، ص41

18-ایضاً، ص42

19-ایضاً، ص40

20-ایضاً، ص39

21-ایضاً

22-ایضاً، ص45

23-ایضاً
24-سنبل نگار، اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ، ایجوکیشنل بک ہاوس، علی گڑھ، 1995ء، ص
216
25-ظفر اعوان، آرزو وے سحر، نستعلیق مطبوعات، لاہور، 2018ء، ص83
26-ایضاً، ص67
27-ایضاً، ص73
28-ایضاً، ص155
29-ایضاً، ص149

مہاجر پرندے کا موضوعاتی مطالعہ

انسان کی داخلی اور خارجی کیفیات کو الفاظ میں ڈھالنے کا نام شاعری ہے۔شاعری جذبات و احساسات کے تابع ہوتی ہے۔موضوع الفاظ میں حقائق کی تصویر کشی شاعری کہلاتی ہے۔شاعری کا مادہ شعر ہے اس کے معنی کسی چیز کے جاننے، پہچاننے اور معلومات حاصل کرنے کے ہیں۔شاعری ایک ایسی ادبی صنفِ سخن ہے جس کی خصوصیات الفاظ کے ذریعے ان احساسات اور جذبات کی عکاسی کرتی ہے جو انسان، خوبصورتی، محبت، زندگی یا موت کے بارے میں کرتا ہے۔شاعر کے خیال اور سوچ پر معاشرہ، رہن سہن، گھریلو حالات اور کسی بھی طرح کے اثرات نظر آتے ہیں۔ بر کیف شاعری معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے اور کرتی رہے گی۔اردو شاعری کی کئی قسمیں ہیں جن میں غزل، نظم، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، رباعی، مسدس، مخمس، مثمن، قطع اور نعت وغیرہ شامل ہیں۔ان میں سب سے مشہور صنف غزل ہے جسے ہر خاص و عام نے سراہا ہے۔

اردو کا ذکر چھیڑتے ہی شاعری کا تصور ذہن میں آتا ہے اور شاعری کا خیال آتے ہی ذہن غزل کی طرف چلا جاتا ہے۔شاید اس لئے کہ غزل اردو شاعری کی مقبول ترین صنفِ سخن ہے۔اس کی فتوحات اور تعریف کا سلسلہ صدیوں پر محیط ہے اور یہی ہمارا تہذیبی ورثہ بھی ہے۔غزل بنیادی طور پر ایک داخلی صنفِ سخن ہے۔غزل کی دلکشی کا سبب اس کی غنایت بھی ہے۔جس شعر میں ترنم اور غنایت نہ ہو وہ شعر کہلانے کا حقدار نہیں۔غزل میں یہ خوبی اس قدر پائی جاتی ہے کہ کوئی دوسری صنفِ سخن اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔غزل کی خوبی یہ ہے کہ اس میں بہت سے خیالات کو یکجا کیا جاتا ہے جو پڑھنے والے کو محظوظ کرتے ہیں۔

اردو غزل نے اپنی ابتدا سے بیسویں صدی تک کا سفر بڑے اعتماد سے طے کیا ہےاور اپنے حاسدین سے بھی دادِ تحسین وصول کی ہے۔غزل کا آغاز دسویں صدی میں فارسی شاعری سے ہوااور بعد ازاں اس پر عربی اور فارسی زبان کے اثرات بھی نمایاں نظر آنے لگے۔اسی اثر نے اردو زبان میں صوفیانہ رنگ بھر دیئے۔تیزی سے بدلتے حالات و واقعات کے باوجود شاعر کم وبیش ہر قسم کے تجربات کامیابی سے غزل میں بیان کرتے رہے ہیں۔اردو غزل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا سب سے بڑا نمائندہ ولی دکنی ہے مگر اس سے پہلے بھی دکن کے بہت سے شعراء کے ہاں بھی غزل ملتی ہے۔جن میں قلی قطب شاہ، نصرتی اور ملا وجہی شامل ہیں تاہم ولی وہ پہلا شخص ہے جس نے باقاعدہ مقامی تہذیبی قدروں کو غزل میں سمویا ہے۔

گزشتہ صدی اول تا آخر تغیر وتبدل کی صدی ہے۔مولانا الطاف حسین حالی کی اصلاحِ غزل کی تحریک سے لے کر جدید تر غزل تک اردو غزل کئی دشوار راستوں سے گزری ہے۔انیسویں اور بیسویں صدی کے اواخر میں محسوس کیا گیا کہ غزل نہ صرف روایتی بلکہ نئے اور اچھوتے موضوعات کو بھی کمال سے ادا کرسکتی ہے۔غزل قدیم صنفِ سخن ہے مگر اس کی تر وتازگی ہمیشہ قائم ہے اور رہے گی۔غزل کے حوالے سے شمیم احمد یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

> ''اگر اردو شاعری کبھی زندہ رہی تو غزل کے ساتھ ہی رہے گی لوگ چاہے کتنے ہی وعدے کیوں نہ کریں اور نظم میں چاہے کتنا ہی ذہن کیوں نہ چلائیں۔لیکن جب تنہائی میں کوئی شعر گنگنائے گا تو وہ غزل کا ہی ہوگا، نظم کا نہیں۔[۱]''

غزل کی تاریخ اردو شاعری جتنی ہی پرانی ہے اور دونوں کا وجود ایک دوسرے کے لئے ناگزیر ہے بلکہ یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ اردو شاعری کے وجود کے لئے غزل ناگزیر ہے۔غزل کے علاوہ اردو شاعری میں جتنی بھی اور اصناف تخلیق کر لی جائیں ان میں سے کوئی بھی غزل کی جگہ نہیں لے سکتی۔غزل کے بعد نظم اردو شاعری میں زیادہ مقبول ہے لیکن یہ حقیقت اٹل ہے کہ نظمیہ شاعری خواہ کتنی بھی ترقی کیوں نہ کرلے لیکن جو مقام غزل کا ہے وہ ہمیشہ غزل کا ہی رہے گا کیونکہ غزل لوگوں کے دلوں میں بستی ہے اور بے خیالی میں بھی اپنے جذبات کی ترجمانی کے لئے غزل کے اشعار کا سہارا لیتے ہیں۔غزل اپنی گونا گوں خوبیوں، دلفریبیوں، منفرد انداز اور انوکھے رنگ و روپ کی وجہ سے ویسے تو شروع سے ہی دلوں کو لبھاتی چلی آ رہی ہے اور اپنی دل ربائی و دلکشی، سج دھج اور حسن و جمال سے آراستہ و پیراستہ ہو کر ہر دور میں اپنی ہر دل عزیزی و محبوبیت کا سکہ اپنے عاشقوں کے دلوں چلاتی رہی ہے۔

غزل کا ہر شعر اپنا منفرد مقام رکھتا ہے مگر انہیں تسبیح کے دانوں میں پرونے کا کام ردیف، قافیہ سرانجام دیتے ہیں۔غزل میں اشعار کی تعداد پانچ یا پانچ سے زیادہ ہوتی ہے۔غزل کا پہلا شعر مقطع اور آخری شعر مطلع کہلاتا ہے۔جس کے دونوں مصرعے ہم بحر، ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔غزل کی مقبولیت کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے اشعار باآسانی یاد ہو جاتے ہیں۔پوری پوری غزل کسی ایک بحر میں بھی کہی جاسکتی ہے۔غزل کی موسیقیت اور ترنم میں ردیف اور قافیہ اہم کردار کرتے ہیں۔عشق و عاشقی غزل کا اہم موضوع ہے۔

عموماً غزل میں عشق و حسن کی کیفیات مثلاً ہجر و وصال، غم، سوز و گداز وغیرہ کا بیان ملتا ہے، تاہم غزل کے موضوعات میں اس قدر وسعت اور رنگارنگی پائی جاتی ہے کہ کائنات کا

کوئی بھی موضوع اس میں سمویا جا سکتا ہے۔اب غزل میں سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی ہر طرح کے موضوعات شامل ہیں۔ بقول شبلی نعمانی:

''غزل بنیادی طور پر عشقیہ شاعری ہے۔ رودکی سے لے کر ناصر تک ایک ہزار سال کے طویل عرصے میں غزل میں مضامین کے اعتبار سے اس قدر وسعت پیدا ہو چکی ہے کہ آج عشق و محبت، فکر و فلسفہ، دین و اخلاق، عرفان و تصوف، سیاست اور معشیت، نفسیاتی اور سماجی مسائل، کائنات کی وسعتیں اور باطن کی گہرائیاں، غرضیکہ حیات و کائنات کا ہر پہلو غزل گو شعرا کی دسترس میں ہے۔ ۲؎''

غزل کے زیادہ تر موضوعات عاشق و معشوق کے متعلق ہوتے ہیں۔ صدیاں بیت جانے کے باوجود شاعری میں اس موضوع کی اہمیت اپنی جگہ برقرار ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا اپنے اپنے وقت کے شعرا نے اپنے زمانے اور حالات کے مطابق اپنی آواز بلند کرنے کے لئے اپنا قلم اٹھایا اور ان اقدامات کی وجہ سے غزل کے موضوعات میں بہت گنجائش پیدا ہوتی چلی گئی اور آج یہ عالم ہے کہ زندگی کے ہر پہلو اور کائنات میں موجود ہر شے کو موضوع غزل بنایا جا چکا ہے۔ دین ہو یا تصوف، سیاحت ہو یا سیاست، سماجیات ہو یا نفسیات، عشق و عاشقی ہو یا فلسفہ و فکر اور معاشی مسائل کی بات ہو یا معاشرتی خامیوں کا تذکرہ غرضیکہ ہر موضوع کے بارے میں اپنی آراء اور اپنے جذبات کے اظہار کے لئے شعراء غزل کا سہارا لیتے آئے ہیں اور لیتے رہیں گے۔

ظفر اعوان عصرِ حاضر کے اہم غزل گو شعرا میں شامل ہیں۔ ان کے ہاں معتدل لہجہ پروان چڑھتا ہے۔ ان کی شاعری عصری صلاحیتوں کو سامنے لاتی ہے۔ ظفر اعوان کا مجموعہ

کلام "مہاجر پرندے" جو 2019 کو منظرِ عام پر آیا ان کی غزلوں پر مشتمل ہے۔ زیرِ نظر مجموعہ کی غزلیں بہت ہی سادہ دلکش، موثر اور ہر دل عزیز انداز میں ہیں۔ وہ بیشتر شاعری کی قدیم روایت سے وابستہ ہیں۔ ان کا انداز لب و لہجہ انتہائی جدید ہے۔ ان کے اظہار میں سلیقہ، زبان و بیان میں شائستگی، اظہار و ابلاغ میں خوبصورتی اور انداز و اسلوب میں فنی نزاکتوں کو نبھانے کا پورا پورا شعوری عمل دخل ہوتا ہے۔ ظفر اعوان ایک نوجوان شاعر ہیں جو کہ بیرونِ ملک مقیم ہیں۔ وہ نقل مکانی کے بعد مہاجر پرندوں میں شامل ہو گئے۔ ان پرندوں کا قیام مختصر نہیں بلکہ طویل المدت ہے۔ پرندے ایک شاخ پر بیٹھے اور تھوڑی دیر بعد اُڑ گئے مگر انسانی پرندوں کا قیام دیر پا اور اذیت ناک بھی ہو سکتا ہے۔ اس ہجرت نے انہیں جن مسائل سے گزارا اور جن مسائل میں وہ گھرے رہے اس نے ان کو بلند پروازِ تخیل عطا کیا۔ اپنے وطن سے دوری کے احساس نے ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارا اور انسانی آرزووں، خوشی اور غم کے احساسات کو اپنی ذات کا حصہ بنانے اور ان کے اظہار کی طرف توجہ دلائی۔ تلاشِ معاش میں وطن سے دور جو ادیب و شاعر اپنی تخلیقات تراش رہے ہیں ان کی شاعری اور تحریروں سے وطن سے دوری کا کرب، نئے ماحول اور مسائل کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس نقل مکانی نے انہیں معاشی آسودگی تو بخشی ہے لیکن عزیز و اقارب سے بچھڑنے کا احساس انہیں اداس رکھتا ہے۔ ان کے اشعار میں اس موضوع کا اظہار ملتا ہے۔ ان کی غزلیں پڑھ کر تازگی کا احساس ملتا ہے۔ جمشید مسرور اس کتاب کے بارے میں یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

> ''کتاب کا عنوان ''مہاجر پرندے''، بہت کچھ کہتا ہوا عنوان ہے۔ اور جب یہ بھی علم ہو کہ ظفر بھی لاکھوں افراد کی طرح ترک وطن کا دکھ اپنی

سوچوں میں لیے پھرتا ہے۔تو خیال آتا ہے کہ اس کتاب میں زیادہ تر
شاعری ترک وطن کے حوالے سے ہوگی لیکن اس کے اشعار میں زندگی کی
تمام جہتیں اپنے اجالوں اور اندھیروں سمیت دکھائی دیتی ہیں۔ ۳۱؎ ‘‘

جس طرح انسان کا چہرہ دل کا حال بیان کرتا ہے کہ انسان اپنے حالات میں خوش ہے یا ناخوش اسی طرح کسی بھی کتاب کو پڑھنے سے قبل اس کا عنوان کتاب کے بارے میں قاری کو بہت کچھ بتا دیتا ہے۔لیکن کچھ کتابیں اپنے عنوان سے بہت زیادہ مواد اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتیں ہیں کچھ ایسی ہی صلاحیت ظفر کی شاعری میں بھی ہے کہ ویسے تو ان کی کتاب کا عنوان ’’مہاجر پرندے‘‘ ہی کتاب کی کہانی بیان کر رہا ہے کہ اس میں ظفر نے اپنی ہجرت کے دکھ، وطن سے دوری اور اذیتوں کو بیان کیا ہے لیکن جب اس کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ ظفر نے اپنی شاعری کے ذریعے اپنے اور اپنے جیسے لوگوں کے جذبات کی ترجمانی بہت عمدہ انداز میں کی ہے۔انہوں نے اس مجموعے میں زندگی کے روشن اور تاریک ہر طرح کے پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ان کی شاعری کسی بیرونی دستورِالعمل کی تابع نہیں۔اپنے گہرے سماجی اور معاشرتی رابطوں کے باوجود ظفر کی شاعری کا واضح بیان ان کی طبیعت کا پرتُو ہے جس میں ان کی بے ساختگی، ہلکا پھلکا طنز اور تخلیقی شخصیت کا عکس جھلکتا ہے۔ظفر اعوان نے اپنے شعری مجموعہ ’’مہاجر پرندے‘‘ کا آغاز حمد و نعت سے کیا ہے۔اس کے علاوہ اس مجموعہ کلام میں ہجرت کے دکھ، خواہش، ہجر، جدائی، غم، تنہائی، حُب الوطنی، سیاست، کرب، سفر کی مشکلات، زندگی کی بے ثباتی، پیار و محبت، دعا، بے رُخی، ساون، قسمت، سادگی، انسانی رویے کے ترکش اور شب و روز وغیرہ کے موضوعات شامل ہیں۔

وہ اپنی شاعری کے ذریعے ملک و قوم کو خوابِ غفلت سے جگانے کی کوشش کرتے

ہیں۔ وہ ہمیشہ امید کا دامن تھامے رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی امید کا دامن کبھی نہ ٹوٹنے کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔ظفر اعوان کی شاعری آمد و آورد کا بہترین امتزاج ہے ہر طرز ہر رنگ کا شعر کہنا آسان کام نہیں یہ عمل خونِ جگر مانگتا ہے۔ وہ اپنی شاعری میں معاشرتی مسائل کو اجاگر کرنے کی سعی کرتے ہیں اور لوگوں کے اندر معاشرتی شعور پیدا کرتے ہیں۔

نعت:

نعت کے لغوی معنی تعریف یا توصیف کے ہیں۔ اصطلاحی معنی میں آپ ﷺ کی مداح اور توصیف کو اشعار کی شکل میں بیان کرنا ہے۔حضور ﷺ کی مداح بیان کرنا ، آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنا ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔حضور ﷺ کی بارگاہ میں شاعر کا نذرانہ عقیدت نعت کہلاتا ہے۔نعت کا لفظ حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی کے لئے مخصوص ہے جبکہ دوسرے نبیوں کے لئے مدح، منقبت ، مدحت اور تعریف و توصیف کے الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے-نعت وسیلہ ہے، عطا ہے۔ایک نعت مقبول ہوتو دوسری کہنے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

نعت کہنا کوئی آسان کام نہیں ہے نہ ہی یہ ہر کسی کہ بس کی بات ہے۔ کیوں کہ ادنیٰ سی لغزش راستے سے بھٹکا سکتی ہے اور انسان دائرہ اسلام سے خارج ہوسکتا ہے۔ بارگاہ رسالت میں عقیدت کے پھول نچھاور کرنا بہت احتیاط کا تقاضہ کرتا ہے۔نعت کا ایک ایک حرف نہ صرف سچے اور پاکیزہ جذبات کی عکاسی کرتا ہے بلکہ ایمان کا ثبوت بن کر نبی پاک ﷺ سے عشق کا گواہ بن کر بخشش کا جواز اور ذریعہ بنتا ہے۔ ریاض مجید اس حوالے سے کہتے ہیں:

''حضور ﷺ کی محبت کے اظہار میں اگر ہوش اور بصیرت سے کام نہ

لیا جائے تو ہر قدم پر لغزش کا امکان ہے کیونکہ آپ ﷺ کے ادب و احترام اور شان اقدس میں ذرا سی بے احتیاطی اور ادنی سی لغزش نعت نگار کے خیالات اور الفاظ کو تو کیا ایمان اور اعمال تک کو غارت کر دیتی ہے۔ ۴؎''

نبی کریم ﷺ سے محبت و عقیدت ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ شعراء حضرات اپنی اس عقیدت کا اظہار اپنے جذبات کو اشعار کی شکل میں ڈھال کر کرتے ہیں لیکن اس سب میں انتہائی باریک بینی اور احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ عام شاعری اور نعتیہ اشعار میں بہت فرق ہوتا ہے اور یہ فرق ہے عام انسان اور نبی کریم ﷺ کی ہستی کا۔ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کے بارے میں ذرا برابر بھی اونچ نیچ انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کروا سکتی ہے۔ اس لئے اس معاملے میں نہ صرف الفاظ بلکہ خیالات تک میں پاکیزگی و طہارت اور عزت و احترام اور تکریم کا خیال رکھا جاتا ہے اور نعت گوئی کا یہ شرف بھی خاص بصیرت اور اوصاف کے حامل لوگوں کو عطا ہوتا ہے۔

نعت وہ صنفِ نظم ہے جس میں رسول ﷺ کی تعریف و توصیف بیان کی جاتی ہے۔ موضوع کے اعتبار سے اس کی رنگا رنگی اور وسعت کی کوئی انتہا نہیں۔ دنیا میں کوئی ایسی زبان نہیں جس میں شاعری کی گئی ہو اور نعت نہ کہی گئی ہو۔ اس اعتبار سے نعت کے سو رنگ اور سو مضامین ہیں۔ اردو میں نعت گوئی کی روایت درخشاں ہے۔ نعت گوئی کی روایت عربی اور فارسی سے ہوتی ہوئی اردو میں آئی۔ اردو نعت گو کا انداز فارسی سے زیادہ متاثر کن ہے۔ اردو کے ابتدائی شعرا میں خوجہ بندہ نواز، گیسو دراز، قلی قطب شاہ ، امیر خسرو، ولی دکنی، میر تقی میر، میر درد، اور سراج اورنگ آبادی کے نام قابل ذکر ہیں۔ بیسویں صدی کے نمایاں شعرا میں الطاف حسین حالی، علامہ اقبال، احمد رضا

بریلوی، حفیظ جالندھری، جوش ملیح آبادی، حفیظ تائب، ریاض مجید اور صبیح رحمانی کے نام قابل ذکر ہیں جن کے کلام میں نعتیہ اشعار نظر آتے ہیں۔

ظفر اعوان بھی محبتِ رسول ﷺ سے سرشار ہیں انہوں نے اپنی شاعری میں جا بجا پیارے نبی کی شانِ اقدس میں اشعار کہے ہیں۔ظفر نے اپنی اس کتاب ”مہاجر پرندے“ میں باقاعدہ نعت شامل کی ہے۔ ان کی نعتیہ اشعار محبت و عقیدت کے جذبات سے سرشار ہیں۔ظفر کہتے ہیں کہ وہ انسان بہت خوش قسمت ہے جسے درِ مصطفی کی حاضری نصیب ہو جائے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی دینی دنیاوی ترقی کی ضمانت یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں رسول ﷺ کی محبت روشن رہے۔ یہ عشقِ رسول ﷺ ہی ان کی اصل قوت ہے جو قوم کو خودی، خوداری اور عزت و وقار سے روشناس کرواتا ہے۔

ظفر یورپ میں گزشتہ کئی سالوں سے مقیم ہیں لیکن انہوں نے اسلام کی عظمت اور نبی کریم ﷺ کی محبت کو فراموش نہیں کیا۔ان کی شاعری میں درِ مصطفی پر حاضری کی خواہش شدت سے نظر آتی ہے۔ظفر کہتے ہیں کہ اے خدا مجھے مدینے بلالیں اور اپنے پیارے نبی ﷺ کے روضے کا دیدار نصیب کر دے تا کہ میں بھی یہ کہہ سکوں کہ مولا ساری دنیا دیکھی ہے اور تیرا سوہنا شہر مدینہ بھی دیکھا ہے۔میری زبان و دل میں مدینہ رچا بسا ہے۔میرے مولا وہ پیارا شہر مدینہ جہاں بے قراروں کے دل کو قرار نصیب ہوتا ہے، جہاں تمام مریضوں کو شفا مل جاتی ہے مجھے بھی اس در کی حاضری نصیب کر دے۔ مولا میرا بھی نصیب کھول دے اور اپنا شہر مدینہ دکھا دے۔ظفر اپنی حاضری کی تمنا کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

ہے لب پہ حرفِ دعا مدینہ
خدایا کر دے عطا مدینہ[۵]

ظفر اسی تمنا کے پورا ہونے کی التجا کر رہے ہیں کہ اے اللہ میرے لب پہ ہر لمحہ بس یہی دعا ہے کہ مدینہ دیکھ سکوں۔اے پروردگار مجھے بھی مدینہ اور مدینے والے کا دیدار عطا کر دے۔مدینہ ایسا شہر ہے جہاں ہر مرض کی دوا موجود ہے۔اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در پہ جا کہ نعت لکھوں اس کے بعد میں یہ سمجھوں گا کہ میری شاعری کسی کام آ گئی۔میری زباں پر درود وسلام جاری ہو اور میرے جسم و جاں میں مدینہ رچا بسا ہو۔وہ کہتے ہیں کہ مدینہ ایسا شہر ہے کہ جہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چین وسکون مِلا تھا جب کفارِ مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں تنگ کیا اور ان کا وہاں سکون سے رہنا ناممکن بنا دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ شہر میں جا کر امان ملی اس شہر اور اس شہر کے باسیوں نے کھلے دل سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کیا۔اس لیے ظفر اعوان اپنے رب سے یہ التجا کرتے ہیں کہ میرے دل کو بھی مدینے جیسا بنا دے کہ جہاں کملی والے کا بسیرا ہو۔وہ کہتے ہیں الٰہی تو نے ظفر کو بہت کچھ عطا کیا ہے، ہر نعمت سے نوازا ہے میرے پروردگار مدینہ بھی عطا کر دے یعنی مدینے حاضری کا شرف بھی بخش دے۔

تصوف:

اسلام کی روح اور انسان کی سرشت میں تصوف کو بنیادی عنصر مانا جاتا ہے۔تصوف ایک ایسی طاقت ہے جو انسان کی خودی کی نفی کرتی ہے۔تصوف کو قرآنی اصطلاح میں تزکیہ نفس بھی کہتے ہیں۔یہ فقط روحانی اقدار کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ علمی وفکری،،معاشی و مذہبی اور علمی جہتوں میں اخلاق و رجحان کا نام تصوف ہے۔تصوف ایک بے غرض اور لالچ سے پاک تعلق کا نام ہے جو دنیاوی اغراض سے مبّرا ہو بلکہ ہر طرح کی طمع سے بھی پاک ہو۔صوفیا کرام نے اسے اپنے اپنے خیالات سے تعبیر کیا ہے مگر ان تمام خیالات کا مدعا ایک ہی

ہے۔تمام نظریات کی بنیاد ایک ہی ہے۔جیسے کہ اگر کسی نے کہا کہ حسن اخلاق کی بنیاد ہے تو لوگوں نے اس سے مراد سماجی خدمات لے لی۔تصوف میں انسان اپنی ذات سے بڑھ کر عرفان ذات حاصل کرتا ہے یوں اسے خدا تک رسائی کا راستہ مل جاتا ہے۔دراصل خدا کی پہچان سے پہلے انسان کی اپنی پہچان ضروری ہے۔لہذا انسان سے محبت ہی خدا سے محبت ہے۔اگر کسی نے خود کو نہیں پہچانا تو خدا تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔تصوف کے معنی اپنے آپ کو صوفیانہ زندگی کے لئے وقف کرنا ہیں۔تصوف کی تعریف ابوالحسن نوری یوں کرتے ہیں:

''تصوف ان تمام چیزوں کو چھوڑ دینے کا نام ہے جو نفس کو مرعوب کرتی ہیں۔ ۶ ''

نفس انسان کو گناہ کی طرف مائل کرتا ہے جبکہ اللہ تعالی کی محبت اور تصوف کا راستہ اس کے بالکل برعکس ہے۔نفسانی خواہشات کی نفی کر کے اللہ تعالی کی رضا کے لئے اللہ کے بتائے ہوئے راستے کا انتخاب ہی تصوف کا اور اصل میں اللہ تعالی کی رحمت اور قرب کا راستہ ہے۔انسان کا نفس ہمیشہ برائی کی طرف جلدی مائل ہو جاتا ہے اور نیکی کی طرف اس کو لانا پڑتا ہے کوشش سے اور محنت سے اسی محنت کے راستے پر چلنے کا نام تصوف ہے۔

ادب میں اگر شاعری کی بات کی جائے تو یہاں بھی ہمیں تصوف کے اثرات نظر آتے ہیں۔تصوف کا تہذیب سے بڑا گہرا رشتہ ہے۔شاعری کی چاہے کتنی پرانی تاریخ دیکھیں ہمیں اس میں تصوف کے اثرات نظر آتے ہیں۔ ہر دور کی شاعری میں تصوف کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔اور خاص طور پر اردو شاعری پر تصوف کے اثرات پہلے سے زیادہ گہرے ہیں۔

ظفر اعوان کی شاعری میں تصوّف کے رنگ نمایاں نظر آتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ یہ

دنیا اور اس کی ہر چیز میں خدا نظر آتا ہے اور میری ذات میں اب ایک ہی ذات نظر آتی ہے وہ ہے ذاتِ باری تعالیٰ کی۔ یہ جو گوشت پوست کے چلتے پھرتے انسان نظر آتے ہیں یہ فقط جسم ہیں وہ پروردگار ہی اس مکاں کے لامکاں میں ہے۔ یہ دنیا اور انسان الغرض دنیا کی ہر چیز میں وہی جلوہ نما ہے اسی کے سب روپ ہیں جو خود چھپا ہوا ہے وہ اس کے حکم سے ہے اور اسی کی قدرت ہر چیز سے عیاں ہے۔ ظفر اعوان اپنی کتاب "مہاجر پرندے" میں ایک جگہ کہتے ہیں:

رگِ جان میں بس چکا ہے خدا
یہ دل اب نفس کا پجاری نہیں ؎

اس شعر میں بھی شاعر اپنی بات کا اظہار کر رہا ہے کہ خدا میری رگ رگ میں بس چکا ہے اب میرا دل نفس کا پجاری نہیں رہا، یعنی میں اب نفس کے تابع نہیں ہوں۔ ظفر کہتے ہیں کہ اب میں نے خود کو خدا کے سپرد کر دیا ہے وہ ذات مجھے جہاں لے کے جانا چاہے لے جائے اور یہی سپردگی، بندگی خدا تک رسائی کی کرن ہے۔ عبادت کے لئے پاکیزگی ضروری ہے ظفر اعوان نے اللہ پاک کے ساتھ اپنے تعلق کو منفرد انداز میں بیان کیا ہے۔ جب روح پاکیزہ ہو گی تو اس میں رب بسا ہوا نظر آئے گا۔ انسان کے ظاہر کے ساتھ ساتھ جب اس کا باطن پاکیزہ ہو جائے گا تو وہ خدا کو پا لے گا۔ اللہ پاک نے کبھی انسان کو تنہا نہیں چھوڑا خود انسان کا وجود خدا کی قدرت اور کبریائی کا ثبوت ہے۔ انسان کی زندگی ایک گمان پر منحصر ہے۔ جب انسان کسی مشکل میں ہوتا ہے اور اسے کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا وہ ٹوٹ جاتا ہے تو ایسے حالات میں فقط ایک ہی ذات کا آسرا اسے کافی ہوتا ہے۔ انسان کے اندر اس کے ذہن میں خدا کا عکس موجود ہے اور انسان کے لاشعور کو خدا کی ذات تک رسائی حاصل ہے۔

زندگی کی بے ثباتی:

زندگی قدرت کی عطا کردہ بیش بہا نعمتوں میں سے ایک انمول تحفہ ہے۔ سکھ اور دکھ اس زندگی کا حصہ ہیں۔ یہ زندگی جو بظاہر بڑی رنگین اور خوصورت نظر آتی ہے اس کی راہ میں بہت سی مشکلات اور پریشانیاں بھی نظر آتی ہیں اور خوشیوں بھرے حسین لمحات بھی۔ جہاں انسان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہیں خوشیوں بھرے حسین لمحات اس کے منتظر ہوتے ہیں۔ ہر رات کے بعد دن ہوتا ہے ہر اندھیرے کے بعد اجالا۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے انسان کو ہر طرح کے حالات و واقعات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کچھ لوگ بہت خوش حال زندگی بسر کرتے ہیں اور کچھ مشکلات میں گھرے ہوتے ہیں۔ عروج انسان کو خوشی بخشتا ہے جبکہ زوال سے سبق سیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ زندگی بڑی بے ثبات ہے اس کی حیثیت فقط پانی کے بلبلے کی سی ہے یا گویا ریت کی دیوار ہو۔

انسان اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لمبے چوڑے منصوبے بناتا ہے، بہت امیدیں لگائے بہت سے خواب سجائے بیٹھا ہوتا ہے مگر موت بے خبر ساتھی کی طرح اس کے ساتھ ہی موجود ہوتی ہے اور اچانک سے کسی بھی وقت اسے اچک لیتی ہے۔ دنیا فانی ہے، اگر انسان خالق کائنات کہ اس فلسفے کو پلے باندھ لے تو دنیاوی آلودگیوں کو زندگی کی آسودگیاں نہ سمجھ بیٹھے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس سے کسی طور انکار ممکن نہیں۔ ہر ذی روح نے موت کا ذائقہ چکھنا ہی چکھنا ہے۔ یہ زندگی اور اس کی تمام چمک دمک فنا پذیری کی طرف رواں دواں ہے۔ ظفر اعوان زندگی کی بے ثباتی کے بارے میں کہتے ہیں:

آنکھ جھپکی تو شام آ ٹھہری
مختصر کتنی زندگانی ہے[۸]

زندگی کی بے ثباتی کو مدِنظر رکھتے ہوئے شاعر اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ زندگی بہت مختصر ہے انسان یہاں بہت تھوڑے وقت کے لئے آیا ہے اور اپنا وقت پورا کر کے عدم کا راہی ہو جاتا ہے۔ یہ کاروانِ زندگی مسلسل رواں دواں ہے۔ حقیقت میں یہ دنیا دھوکے کا سماں ہے۔ کتنے ہی لوگ یہاں آئے اور چلے گئے۔ ان کے جانے سے یہ نظام کائنات نہ رکا نہ رک سکتا ہے یہ یونہی چلتا آیا ہے اور یونہی چلتا رہے گا اس لئے ہمیں اپنی اس مختصر سی فانی زندگی کی شام ہونے سے پہلے پہلے اُس دائمی زندگی کی تیاری کر لینی چاہئے وہ جو کہ ابدی زندگی ہے کبھی نہ ختم ہونے والی۔

دراصل یہ دنیا امتحان گاہ ہے، یہاں انسان پر مختلف مشکلات آتی رہتی ہیں جو اس کے صبر کا امتحان لینے آتی ہیں کہ کس نے کتنے صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا۔ زندگی کے امتحانات تا دمِ مرگ ساتھ نبھاتے ہیں۔ دنیا میں کسی چیز کو دوام حاصل نہیں، فنا اس کا مقدر ہے۔ اللہ پاک نے سارے نظام کائنات کی بنیاد ہی فنا پر رکھی ہے۔ جس طرح غم کے بغیر خوشی بے مقصد ہو جاتی ہے اسی طرح موت کے بغیر زندگی کی کوئی حقیقت نہیں۔ موت ہی زندگی کی حقیقت ہے۔

ہجر ووصال:

ہجر و وصال شاعری کا اہم موضوع رہا ہے۔ وصل کے یادگار لمحات جو ایک ساتھ گزرتے ہیں ان کے بعد بچھڑنے کا عمل لازمی ہے۔ جس طرح بہار کے بعد خزاں کا آنا لازم ہے اسی طرح وصل کے بعد ہجر کا موسم آتا ہے۔ اردو شاعری میں وصل سے زیادہ ہجر کو اہمیت حاصل ہے۔ اردو شاعری میں ہجر کے مضمون کے ساتھ ہجر کی رات کی طوالت اور انتظار کی نفسیاتی کیفیات کو بیان کیا گیا ہے۔ ظفر اعوان نے بھی اپنی شاعری میں ہجر و وصل

کی مختلف کیفیات کو جا بجا بیان کیا ہے۔ ہجر ایک ایسی کیفیت ہے جو وصل سے زیادہ اہمیت اس حوالے سے رکھتی کہ ہجر میں انسان کو درد ملتا ہے اور وہ درد ہی انسان کو کندن بناتا ہے۔ اس درد میں ایک سرور ہے۔ ظفر اعوان نے ہجر و وصل کی کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے:

وصل اور ہجر میں رہا بستا
جس نے بھی بات دل کی مانی ہے ۹؎

یہ پیار و محبت کے معاملات ہوتے ہی ایسے ہیں کہ انسان جس کی محبت میں گرفتار ہو جائے جس کو دل دے بیٹھے پھر اسے اس کے علاوہ کوئی اور بھاتا ہی نہیں۔ دل ہر وقت خواہش کرتا ہے کہ وہ حسین پیکر نظروں کے سامنے رہے اور اس سے جدائی کا سوچ کر بھی دل تڑپ اٹھتا ہے۔ رگ رگ میں بے چینی و بے قراری سما جاتی ہے۔ جس نے بھی دل کی بات مان لی وہ ہجر و وصل کی چکی میں پستا رہا ہے۔ وصل یعنی ملاپ کے لمحات انسان کو خوشی سے سرشار کر دیتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان تصور کرتا ہے لیکن جب ہجر کی گھٹا چھا جاتی ہے تو دل محبوب کی یاد میں پل پل تڑپتا ہے اور محب کو کسی پل چین نہیں ملتا، یوں لگتا ہے کہ ان جدائی کے لمحات نے زندگی میں تلخیاں بھر دی ہیں۔ وہ دلبرداشتہ ہو جاتا ہے۔ وصل کے لمحے بہت تیزی سے گزر جاتے ہیں لیکن ہجر کی رات بہت طویل ہوتی ہے۔ وقت کاٹے نہیں کٹتا۔ یہ دنیا اور اس کی رعنایئاں کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔

سفر:

زندگی حرکت کا نام ہے اور جمود موت ہے۔ سفر کی حقیقت آفاقی ہے اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ دنیا کی زندگی دراصل سفر آخرت کی تیاری کے لئے ہے۔ یہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے جہاں انسان تھوڑی دیر کے لئے رکتا ہے اور بلا آخر اسے آخرت کے ابدی

سفر کے لئے نکلنا ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک ابدی حقیقت ہے کہ اس دنیا میں انسان مختلف اغراض ومقاصد کے لئے سفر کرتا رہتا ہے۔ سفر کا شوق اسے گھر سے تو نکال دیتا ہے لیکن اسے بہت سی تکالیف برداشت کرنا پڑتی ہیں تب جا کر منزل کا حصول ممکن ہوتا ہے سفر کی حقیقت کے بارے میں ظفر اعوان اپنے اس شعر میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

ہم سفر کہیں کسے منزلوں کی راہ پر
راستے بکھر گئے راستوں کے درمیاں [۱۰]

عشق کا راستہ بہت طویل ہوتا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے اس میں ہزاروں مقام آتے ہیں۔ ظفر اعوان کہتے ہیں کہ اس راہ میں چلتے چلتے کتنے ہی ہم سفر بچھڑ گئے پر منزل نہ مل پائی۔ گویا راستے بچھڑ گئے راستوں کے درمیان یعنی اپنی منزل کی تلاش میں ہم راستہ ہی بھٹک گئے ہیں اور ایک ایسے راستے پر چل پڑے ہیں جہاں منزل کا کوئی نام ونشان نظر نہیں آتا۔ زندگی کے اس سفر میں انسان کو مختلف آرزوئیں بے چین رکھتی ہیں اور وہ ان کی تکمیل کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ اس مقصد کے لئے بعض اوقات اسے طویل مسافت بھی طے کرنا پڑتی ہے اور اس عرصہ میں مختلف مصائب ومشکلات سے دوچار ہوتا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ منزل کا دور دور تک کوئی نشان نہیں ملتا لیکن اگر ارادے مضبوط ہوں تو کامیابی مل ہی جاتی ہے۔

ظفر اعوان ایک لمبے عرصے سے تلاشِ معاش کے سلسلے میں بیرونِ ملک مقیم ہیں اس لئے وہ سفر کی حقیقیت اور اس کی راہ میں آنے والی مشکلات و پریشانیوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ انہیں اس بات کا بہت اچھی طرح اندازہ ہے کہ دیارِ غیر میں اپنوں اور گھر بار وطن سے دور انسان کس طرح محظ ایک مشین بن کر رہ جاتا ہے۔ جو سکون اپنے گھر اپنے وطن میں

نصیب ہوتا ہے وہ کہیں اور نہیں جیسا کہ ظفر اپنے اس شعر میں کہتے ہیں:

پھنس چکے ہیں سر تلک دلدلوں کے درمیاں
ہو گیا کٹھن سفر حادثوں کے درمیاں [اا]

یہاں ظفر سفر کے دوران پیش آنے والی مصیبتوں کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ انسان کس طرح بے بس و مجبور ہو جاتا ہے کہ اسے حالات کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑتے ہیں۔ جب انسان پریشان ہوتا ہے تو اسے کوئی خوشی خوشی نہیں لگتی، یوں لگتا ہے جیسے بادلوں پر دھوپ نکلی ہو لیکن ان مشکلات میں پھنسے انسان کے لئے امید کی کرن یہ ہے کہ اس کا توکل اللہ تعالی کی ذات پر ہوتا ہے۔ یہ بات انسان کا حوصلہ بڑھاتی ہے کہ اللہ نہ چاہے تو کوئی انسان، کوئی سازش اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ مسلمان کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ ہر کام میں یقیناً اللہ تعالی کی کوئی نہ کوئی حکمت چھپی ہوتی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان دنیا کے جھمیلوں میں اس قدر گم ہو گیا ہے کہ اسے اس دنیا میں آنے کا مقصد ہی بھول گیا ہے حالانکہ یہ زندگی تو عارضی ہے اور انسان کو ابدی سفر پر بھی روانہ ہونا ہے۔

معاشرتی مسائل کی عکاسی:

معاشرتی عناصر انسانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ شاعر تو ویسے ہی معاشرے کا حساس طبقہ ہوتے ہیں وہ اپنے ماحول اور ارد گرد کی چیزوں کو عام لوگوں سے زیادہ محسوس کرتے ہیں اور پھر اسے الفاظ کی صورت میں ڈھال کر صفحہ کرتاس پر بکھیر دیتا ہے۔ ظفر اعوان نے بھی جو کچھ معاشرے میں مسائل محسوس کیے انہیں اپنی شاعری میں برملا بیان کر دیا۔ انہوں نے اس دنیا کہ نشیب و فراز کو گہری نظروں سے پرکھا ہے اور ایک عام شخص کی زندگی کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ کسی غریب کے گھر میں بھوک و افلاس کے ڈیرے

ہیں اور اس افلاس میں اس کی اور اس کے بچوں کی زندگی دوبھر کردی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی چھوٹی چھوٹی خواہشات بھی پوری نہیں کرسکتا۔ کبھی اپنے بال بچوں کی روزی روٹی پوری کرنے کے لئے ایک مزدور کو اپنا خون پسینا بہانا پڑتا ہے اور کبھی اپنے بچوں کی چند چھوٹی چھوٹی خوشیوں کی خاطر خود کو کس طرح مشکلات میں ڈالنا پڑتا ہے:

بھوک کی ہتھیلی پر چھالے گن نہیں پائے
آسماں کے تاروں کو ہم شمار کیا کرتے [۱۲]

ظفر کہتے ہیں ہمارے معاشرے میں ایک غریب مزدور کے گھر میں بھوک ہی ٹہلتی ہے اس کو دن بھر کی محنت مزدوری اور تھکن کے بعد بھی زندگی کی آسودگی میسر نہیں آتی۔ وہ دن بھر مشقت کرتا ہے اور بمشکل شام کو اس کے گھر کھانے کا بندوبست ہوتا ہے۔ غربت و افلاس کے مارے ہوئے لوگوں کو اور کچھ کرنے یا سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ وہ اپنی ہی پریشانیوں میں الجھے رہتے ہیں۔ انہیں ہر وقت گھر کے اخراجات کی ہی فکر کھائے جاتی ہے۔

ظفر اسی دکھ کا اظہار اپنے اشعار میں کرتے نظر آتے ہیں کہ غربت کے مارے ہوئے لوگ جب مزدوری کرتے ہیں تو انہیں صرف اپنی اور اپنی اولاد کی بھوک یاد ہوتی ہے اور وہ اپنی ہتھیلیوں پر مشقتوں سے پڑے چھالے بھول جاتے ہیں۔ ان کا شمار بھی کرنے کی فرصت نہیں ملتی کہ اگلے چھالے ان کی جگہ لے لیتے ہیں ایسے میں آسمان کے تاروں کو گننا تو درکنار انہیں دیکھنے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ یعنی وہ اپنی ہی مشکلات میں الجھے رہتے ہیں اسے ان چیزوں سے ہی وقت نہیں ملتا تو وہ باقی معاملات کے بارے میں کیا سوچیں گے۔

ظفر اعوان زمانہ شناس ہونے کے ساتھ ساتھ ایک حساس اور دردمند دل رکھنے والے

انسان ہیں۔ وہ حصول معاش کے سلسلے میں عرصہ دراز سے بیرون ملک مقیم ہیں اور وہاں ان کا طرح طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ وہ اپنے تمام تر تجربے کی بنیاد پر وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انسان روز بروز تنزلی کی جانب رواں دواں ہے۔ پہلے جو چیز معاشرے کے لئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتی تھی اب وہ ترقی کی ضامن ہے۔ ہر طرف نفسانفسی کا عالم ہے:

ہم تو فکرِ معاش میں گم تھے
آپ ہم کو خفا سمجھ بیٹھے [۱۳]

ظفر اعوان نے اپنی غزلوں کے مختلف اشعار میں اس معاشرے میں پائے جانے والے مختلف مسائل کی عکاسی کی ہے۔ وہ معاشرے کو مختلف گراوٹوں کا شکار دیکھتے ہیں تو رنجیدہ ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو غیر ملک میں مشکلات کا شکار اور روزگار کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے اور لوگ جو کہ ہمارے اپنے تھے وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم مغرور ہو گئے، کامیابیوں اور آسائشوں کے مزے میں گم ہم ان سے بات کرنا گوارا نہیں کرتے حالانکہ حالات اس کے برعکس تھے جنہیں کوئی نہ سمجھ سکا۔ سوائے ان کے جو یہ عذاب جھیل چکے تھے۔ پردیسیوں کے دکھ پردیسی ہی سمجھ سکتے ہیں۔

ظفر اعوان معاشرے کے مختلف مسائل کی عکاسی کرتے ہیں۔ ہمارا معاشرہ مختلف قسم کی برائیوں میں گھرا ہوا ہے۔ یہاں ظلم وستم، رشوت ستانی عام ہے، بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے۔ ہر طرف نفسانفسی کا عالم ہے جب کوئی مجبور کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو لوگ اس کا تماشہ دیکھتے ہیں اور اس کی بے بسی کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بہت کم ایسے لوگ ہیں جو بے لوث کسی کی مدد کرتے ہیں ورنہ ہر کسی کو اپنا مفاد اپنا لالچ عزیز ہوتا ہے۔

سیاست:

ادب اپنے دور کے سیاسی اور معاشرتی حالات کا عکاس ہوتا ہے۔شاعر کسی قوم کی آنکھ ہوتا ہے۔وہ معاشرتی اور سیاسی حالات پر گہری نظر رکھتا ہے اور ان حالات کو الفاظ کی مالا میں پرو کر شاعری کی صورت میں لوگوں کی نذر کرتا ہے۔شاعر ہمیشہ اپنے ملک وقوم کے لئے ہمدردی کے جذبات رکھتا ہے۔نااہل حکمرانوں کی بے حسی اور غلط پالیسیوں کی وجہ سے عام آدمی حالات کی چکی میں پستہ چلا جاتا ہے۔ہر آنے والا حکمران اقتدار ملنے سے پہلے بڑے بڑے دعوے اور وعدے کرتا ہے لیکن برسر اقتدار آتے ہی اپنے ذاتی مفادات کو مقدم اور عزیز تر رکھتے ہیں۔بہت سے نعرے لگائے جاتے ہیں، کبھی جمہوریت آتی ہے تو کبھی آمریت، وقت بدلتا ہے حکمران بدلتے ہیں امراء کی تجوریاں بھرتی چلی جاتی ہیں نہیں بدلتے تو غریب کے حالات نہیں بدلتے وہ بیچارہ وہیں کا وہیں گردشِ حالات کی زد میں رہتا ہے۔ظفر اعوان نے اپنی شاعری میں جا بجا پاکستان کے حالات کا تذکرہ کیا ہے:

کشتیاں جو ڈبو رہے ہیں ظفر
سب انہیں ناخدا سمجھ بیٹھے [۱۴]

حکمران عوام کو چند بنیادی سہولیات دینے سے بھی قاصر ہیں۔یہ لوگ اس قدر بے حس ہیں کہ انہیں عوام کی تکلیف و پریشانی سے کوئی غرض نہیں، بس اپنے ووٹ، کرسی اور اقتدار سے مطلب ہے۔وہ کھوکھلے نعروں اور وعدوں سے سادہ لوح عوام کو بے وقوف بناتے ہیں۔انہیں صرف اور صرف اپنا مفاد عزیز تر ہوتا ہے۔ایسے حالات میں عام آدمی تو متاثر ہوتا ہی ہے لیکن شاعر حضرات اس کو زیادہ گہرائی سے محسوس کرتے ہیں۔ظفر اعوان نے بھی اس حقیقت کا اپنے اشعار میں برملا اظہار کیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ میرے وطن میں زندگی کا

تماشا ہو رہا ہے اور ہر لمحے مجبور لوگوں کی بے حسی کا تماشا ہو رہا ہے۔ لوگوں کو یہ لگتا ہے کہ حکمران ہمیں روٹی، کپڑا اور مکان دیں گے گویا غریب کی مفلسی کا تماشہ ہو رہا ہے۔ ہمارے قانون کے ادارے جو ہمارے تحفظ کے لئے بنائے گئے تھے گویا وہ بھی چور ڈاکو بن گئے اور عوام کو دن دہاڑے لوٹ رہے ہیں۔ بظاہر یہ لوگ عوام کی بہتری کا ڈرامہ رچائے ہوئے ہیں لیکن اندر سے یہی عوام کو تباہ کر رہے ہیں۔ یہ ملک پاکستان ہمارا پیارا ملک پاکستان ہے، ہمارا گھر ہے جس نے ہمیں اس وقت پناہ دی جب ہم بے گھر اور بے آسرا تھے۔ آج ہم عوام اور حکمران اسی سے غداری کر رہے ہیں گویا وطن سے سرکشی کا تماشہ ہو رہا ہے۔ ظفر اعوان کا یہ شعر اس بات کا غماز ہے:

وہ دینگے روٹی ، کپڑا اگر ہم ووٹ دیں گے
ہماری مفلسی کا تماشہ ہو رہا ہے [۱۵]

ظفر کہتے ہیں کہ اگر ہم انہیں ووٹ دینگے تو یہ لوگ ہمیں روٹی، کپڑا اور مکان دیں گے یہ ہماری غربت کا عجیب مذاق ہو رہا ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم جیسوں کا اب کیا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکمران اپنے دور اقتدار کو طول دینے کے لئے رعایا کو سبز باغ دکھاتے ہیں اور ہر بار نئے نعروں کے ساتھ بے وقوف بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آخر کار معصوم عوام ان کی سازشوں کا شکار ہو جاتے ہیں مگر کچھ ذی شعور لوگ حکمرانوں کی چالوں کو سمجھ جاتے ہیں وہ دوسروں سے اس کا تذکرہ کرتے اور ان میں سیاسی شعور بیدار کرتے ہیں۔ دیوار پر لٹکے کیلینڈر پر شب و روز بدلنے سے، ماہ و سال کی تبدیلی سے اور سفر اختیار کرنے سے عوام بے بسی، لاچارگی اور بوسیدگی کا شکار ہوتی چلی جاتی ہے۔ ظفر اعوان کو سیاستدانوں کے ان ہتھکنڈوں کا اندازہ ہے کہ حکمران کیسے عوام کو لالچ دے کر کھوکھلے وعدوں

کے جال میں پھنساتے ہیں اور عوام کو لوٹنے کے لئے چالیں چلتے ہیں۔ اقتدار میں آنے کے بعد انہیں عوام کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔

ملی وحدت:

ہمارے آبا و اجداد نے تقریباً ڈیڑھ سو برس کی مسلسل جدو جہد کے بعد یہ عظیم وطن حاصل کیا ہے اور اس کے حصول کے لئے ہمارے بزرگوں نے لاتعداد قربانیاں دی ہیں۔ قوم افراد کا مجموعہ ہوتی ہے۔ فرد اور قوم ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں ایک شاعر اپنی قوم و ملت کے لئے بہت حساس جذبات رکھتا ہے۔ مسلمان جہاں بھی رہتے ہوں وہ ایک قوم کی صورت ہیں اور پوری دنیا ان کا وطن ہے۔ اب ہمارا وطن بہت سی اندرونی اور بیرونی سازشوں کا شکار ہے۔ ظفر اعوان نے اپنے اشعار میں بڑی خوبصورتی سے اس بات کا اظہار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

کس نے بوئے ہیں بیج نفرت کے
میرے اجداد کی زمینوں میں[۱۶]

ظفر انتہائی غمناک ہیں کہ نئی نسل میں ایک دوسرے کے لئے محبت و ایثار کے جذبات کا فقدان نظر آتا ہے۔ ملک میں اقلیتوں اور ایک مذہب کے لوگوں کو فرقہ وارانہ تعصّبات میں بانٹ دیا گیا۔ یہ کون لوگ ہیں جنہوں ملک پاکستان کے خلاف سازشیں رچانا شروع کی ہیں۔ ایک حساس شاعر اور محبِ وطن شہری ہونے کی حیثیت سے ظفر اپنے وطن کی سلامتی اور حفاظت کے لئے دعا گو ہیں اور اپنی شاعری کے ذریعے قوم کو وحدت کا درس دیتے ہیں۔ جب سب لوگ آپس میں اتفاق و اتحاد سے رہیں گے تو دشمن ان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ یہ جذبہ حب الوطنی ہی ہے جو انسان کے اندر اپنے وطن کے لئے اپنی جان بھی قربان کر

دینے کے جذبات کو ابھارتا ہے۔ظفر چونکہ وطن سے دور ہیں اس لئے انہیں اپنی پہچان اپنے وطن کی قدر و منزلت کا بخوبی اندازہ ہے۔

وطن سے محبت:

وطن سے محبت ایک فطری عمل ہے۔ ہمارا وطن پاکستان کتنی قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا۔ یہ وطن ہی دنیا میں ہماری پہچان ہے۔ ہر دور میں ادباء اور شعرا نے اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں میں جذبہ حب الوطنی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جب ہمارے دل میں اپنے وطن کی قدر و منزلت ہوگی اس کی اہمیت کا احساس ہوگا تو ہی ہم اس کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہ کریں گے۔ظفر اعوان اپنے وطن کی حرمت پر قربان ہونے کے لئے تیار ہیں۔وہ چونکہ پردیس میں ہیں وہاں پر چاہے کتنی ہی معاشی آسودگی حاصل ہوگئی ہے لیکن وطن کی یاد جب ستاتی ہے تو دل دکھ سے بھر جاتا ہے اور آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔

وطن سے دور رہ کر جو کرب ظفر محسوس کرتے ہیں اس کا رنگ اکثر ان کی شاعری میں نمایاں نظر آتا ہے۔ یہ ایک فطری عمل ہے کہ انسان جس جگہ پیدا ہوتا ہے، پلا بڑھا ہوتا ہے اسے وہاں کے ذرے ذرے سے پیار ہوتا ہے اسے وہ وطن وہ شہر بہت پیارا ہوتا ہے۔ جہاں اس نے تعلیم و تربیت پائی، جس مٹی میں کھیل کر پرورش پائی اپنے شہر اپنے وطن کی مٹی کی خوشبو اس کی سانسوں میں بسی ہوئی محسوس ہوتی ہے اس لئے ظفر اعوان کی سانسوں اور روح میں اپنے وطن اور اس کی مٹی کی خوشبو رچ بس گئی ہے۔وہ سچے محب الوطن پاکستانی ہیں جو دیارِ غیر میں رہتے ہوئے بھی اپنے وطن کے لئے تڑپتے ہیں اور پیار و محبت کے جذبات رکھتے ہیں۔اس بارے میں ان کے دوست میثم علی آغا یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

''ظفر کی شاعری میں وطن سے دوری کا دکھ سانسیں لے رہا ہے مہاجر پرندے اسی دکھ، اسی کرب اور اذیت سے جنم لیتی ہوئی ایک ایسی تشبیہ ہے جس نے میری آنکھیں کیا روح تک نم کر دی ہے۔ ۱۷''

ظفر نے ایک لمبا عرصہ پردیس کی مشکلات کا بہت قریب سے بذاتِ خود سامنا کیا ہے۔ ان مشکلات کی تکلیفوں کا عکس ان کے اشعار کے آئینے میں واضح نظر آتا ہے۔ انہی دکھ بھرے جذبات کو اشعار کی صورت میں یکجا کر کے ظفر نے مہاجر پرندے کی صورت میں پیش کیا ہے۔ ان کی شاعری بے جان نہیں ہے بلکہ یہ زندہ جذبات سے بھرپور ہے اور یہ قارئین کی روح پر اثر انداز ہوتی ہے۔ دیارِ غیر میں جب اپنوں اور وطن کی یاد ستاتی ہے تو دل کو کسی پل چین نہیں ملتا اور جی چاہتا ہے کہ انسان اُڑ کر اپنے دیس پہنچ جائے جہاں اپنائیت کا احساس ہے، جہاں محبتیں اور چاہتیں ہیں لیکن ہائے رے مجبوریاں جو انسان کو بے بس کر دیتی ہیں۔ انسان اس مشینی دور میں بالکل مشین ہی بن کر رہ گیا ہے۔ وہ وقت کے ساتھ بھاگا چلا جا رہا ہے۔ اس کے پاس اپنے لئے اور اپنوں کو دینے کے لئے وقت نہیں ہے۔ جوں جوں انسان ترقی کر رہا ہے اس کی ضروریاتِ زندگی اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ ان کو پورا کرنے کی دوڑ میں وہ دن رات ایک کر رہا ہے۔ اس کے پاس وقت نہیں کی وہ دوسروں کو وقت دے سکے ان کے ساتھ مل بیٹھ سکے:

بہت یاد کرتے ہیں اہلِ چمن کو
وطن سے پروئے مہاجر پرندے ۱۸

''مہاجر پرندے'' ظفر اعوان کی شاعری کی کتاب کا عنوان بھی ہے وہ دراصل پردیس میں رہنے والوں کو مہاجر پرندے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جس طرح پرندے ایک جگہ

سے دوسری جگہ اڑان بھر کے ہجرت کر جاتے ہیں، کہیں بھی چلے جاتے ہیں، کہیں بھی آجاتے ہیں اسی طرح انسان بھی مختلف مقاصد کی تکمیل کے لئے سفر کرتا ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرتا ہے۔ جب انسان پردیس میں تنہا ہوتا ہے اسے اپنے وطن اور اپنے پیاروں کی یاد بہت ستاتی ہے۔ ایسے میں بے بسی اور تنہائی کے جذبات مل کر انسان کے لیئے دوہری اذیت پیدا کر دیتے ہیں۔ ایک طرف اپنے دیس کی محبت و چاہت اور اپنوں کے ساتھ اور پاس رہنے کی چاہ ہوتی ہے تو دوسری طرف ان کی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں ایسے میں وہ یادوں کے سہارے اپنا وقت کاٹتا ہے اور اپنے چمن کو یاد کر کے گزارہ کرتا ہے۔

بے حسی:

بے حسی احساس کی ضد ہے یہ کسی بھی معاملے میں جذبات، محسوسات، فکر و دلچسپی سے خالی ہونے کا نام ہے۔ جہاں کسی دوسرے کو لگے کہ احساس، فکر اور دلچسپی نہیں ہے تو وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ فلاں کی طرف سے بہت بے حسی کا مظاہرہ کیا گیا ہے کیونکہ جہاں احساس نہیں ہوتا وہاں بے حسی اپنی جگہ بنا لیتی ہے۔ کسی شخص، جذبات و احساسات میں دلچسپی نہ رہنا بے حسی کے زمرے میں آتا ہے۔

بے حسی بے رخی کے مترادف ہے اور یہ لا پرواہی کی انتہا ہے، جب عشق و محبت کے معاملات میں بے حسی آجاتی ہے تو محبت کسی کونے میں سسکتے ہوئے دم توڑ جاتی ہے کیونکہ ایک ہی انسان آخر کب تلک اپنے جذبات کا اظہار کرتا رہے گا جب دوسری طرف سے اسے مثبت جواب نہیں ملے گا۔ بے حسی کا مظاہرہ جب مسلسل کیا جائے گا تو سامنے والا بھی آخر کو خاموش ہی ہو جائے گا اور یہ بے بسی کی انتہا ہوتی ہے۔

بے حسی دو صورتوں میں ہوتی ہے یہ کسی فرد کی ذاتی بھی ہو سکتی ہے اور سماجی لحاظ سے بھی۔ ذاتی بے حسی سے مراد اپنی ذات یا اپنی ذات سے وابستہ فرد یا افراد سے منہ موڑ لینا ہے۔ دوسری طرف سماجی بے حسی سے مراد یہ ہے کہ انسان سماج یا معاشرے کے مفلوک الحال طبقے سے کوئی ہمدردی رکھے اور نہ ہی کوئی مدد کرے بلکہ بے حسی کا مظاہرہ کرے۔ ظفر اعوان نے اپنے اشعار میں جا بجا بے حسی کا تذکرہ کیا ہے جیسا کہ مہاجر پرندے میں ایک جگہ یوں رقمطراز ہیں:

ہم بے حس ہیں ہم غافل ہیں
ہم پڑھ لکھ کر بھی جاہل ہیں[19]

ظفر کہتے ہیں کہ ہم بے حس اور غافل لوگ ہیں۔ حال یہ ہے کہ پڑھ لکھ کر بھی جاہل ہیں۔ جو تعلیم ہمیں انسانیت سے ہمدردی کا درس نہ دے تہذیب نہ سکھائے اس تعلیم کا کیا فائدہ۔ ہم لوگ عمل سے خالی ہیں باتیں بڑی بڑی کرتے ہیں لیکن عملاً کچھ بھی نہیں کرتے تو کیا فائدہ اور کیا حاصل اس سب کا۔ ہم لوگ اس قدر بے حس ہو چکے ہیں کہ اپنے ذاتی مفاد کے لئے مذہب کو بھی بلائے تاک رکھ دیتے ہیں۔ آیات اور احادیث کو وہاں استعمال کرتے جہاں اپنے مفاد میں ہوں۔ ہمارے اسلاف نے دریاوں میں گھوڑے دوڑا دیئے تھے ان کو ایمانی طاقت پر بھروسہ تھا اور ہم اس قدر بزدل ہو چکے ہیں کہ ہمارا ایمان ہی ڈانواں ڈول ہے۔ ہمارے ملا اور عالم لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں یہ منبر پر بیٹھ کر اپنے اپنے مفاد اور مسلک کی بات کرتے ہیں۔ ان جیسے واعظوں نے قوم سے متاع ایمان لوٹ لی ہے۔ یہ سب خود غرضی اور بے حسی ہی ہے جو ہمارے اردگرد رونما ہے۔ بہت کم لوگ کسی دوسرے کے ساتھ مخلص ہیں۔

یہ زندگی حادثات سے بھری پڑی ہے۔ ہر وقت کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی حادثہ رونما ہو رہا ہے۔لیکن لوگ اپنی زندگیوں میں اس قدر مصروف ہیں کہ کسی کے پاس اتنا وقت نہیں کہ رک کر دیکھا لیا جائے کہ کہیں کسی کو ہماری مدد کی ضرورت تو نہیں۔ظفر اعوان اس ملک کے سیاستدانوں اور سیاسی نظام کی بدحالی کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔غریبوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔سب اپنی زندگیوں کی رنگینیوں میں مگن ہیں۔ ہر ایک کو اپنا مطلب اپنا مفاد عزیز ہے۔المختصر ہمارا معاشرہ بے حس ہو چکا ہے۔

منافقت:

قول وفعل میں تضاد کو منافقت کہتے ہیں۔جس انسان کے ظاہر اور باطن میں فرق ہو منافق کہلاتا ہے۔منافق آدمی کسی سے مخلص نہیں ہوتا۔منافقت ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا المیہ ہے۔منافق شخص بظاہر ہمدردی کرتا ہے لیکن دل میں بغض اور کینہ رکھتا ہے۔ ایسا شخص بہت خطرناک ہوتا ہے اور دوسروں کے جذبات سے کھیلتا ہے کیونکہ وہ اسے دوست اور ہمدرد وغم خوار سمجھتے ہیں جبکہ منافق انسان دغابازی کرتا ہے۔دھوکے باز شخص کو پہچانا مشکل ہے کیونکہ اس نے بظاہر ہمدردی اور دوستی کا لبادہ اوڑھ رکھا ہوتا ہے۔ایسا شخص دوسرے کو ہمیشہ نقصان پہچانے کے درپے ہوتا ہے کہ کب موقع ملے اور سانپ کی طرح ڈنک مارے۔

منافق بہت خطرناک ہوتے ہیں اللہ تعالی نے منافقین کو کافروں سے بھی کڑی سزا دینے کا وعدہ کر رکھا ہے۔انہیں جہنم کے سب سے نچلے درجے میں رکھا جائے گا۔ منافقین سے اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر آج تک مسلمانوں کے بہت نقصان کیے ہیں۔عبداللہ بن ابی کو منافقوں کا سردار کہا گیا اس نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا اور

مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں۔ ٹیپو سلطان بھی اپنوں کی غداری کی وجہ سے شہید ہوئے۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کا اہم سبب بھی اپنوں کی غداری ہے۔ ایسے لوگ آستین میں سانپ جیسے ہیں:

ہیں ظفر یار آستینوں میں
بے وجہ سانپ سے میں ڈرتا تھا[۲۰]

منافقین کے حوالے سے ظفر اعوان اپنے قارئین کو بڑے خوبصورت اور دلکش انداز میں سمجھاتے نظر آتے ہیں کہ منافق کس طرح خوشامد کر کہ لوگوں کے دلوں میں جگہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ بھی منافقانہ رویہ رکھتے ہیں۔ ایسا شخص دوسروں کے جذبات سے کھیلتا ہے اور اپنا اصل چہرہ چھپاتا ہے۔ ہر شخص نے اصل چہرے پر نقاب چڑھائے ہوتے ہیں۔ انسان دھوکہ اسی شخص سے کھاتا ہے جہاں اسے بھروسہ ہوتا ہے۔ اس شعر میں بھی ظفر یہی بات کر رہے ہیں کہ میرے دوست، جاننے والے لوگ غیر ملک میں جنہیں ہم اپنا سمجھتے ہیں وہ بھی آستین کے سانپ کا کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ لوگوں کو اس بات سے آگاہ کرتے ہیں کہ ایسے لوگوں سے دوری بنا کہ رکھنی چاہیئے جو موقع پرست ہوں، جن کے قول و فعل میں تضاد ہو، جن کے دل میں کچھ اور زبان پہ کچھ اور ہو۔ ایسے لوگ موقع ملتے ہی وار ضرور کرتے ہیں اس لئے ان سے محتاط رہنا بہت ضروری ہے۔ ظفر اعوان اپنے اشعار میں بھی یہی تلقین کرتے نظر آتے ہیں:

ایسے لوگوں کی قربت سے دوری بہتر
دل میں ہے ظفر جن کے کینہ سیکھ رہا ہوں[۲۱]

منافقت اور دروغ گوئی ہمارے معاشرے کا بہت بڑا المیہ ہے۔ ہر شخص دوسرے کو

دھوکہ دینے میں لگا ہوا ہے۔ فریب، جھوٹ عام ہو گیا ہے۔ انسان منہ پر کچھ ہوتا اور پیٹھ پیچھے کچھ اور ہے۔ دلوں سے بغض اور کینہ ختم نہیں کرتے۔ کسی کو ترقی کرتا دیکھ کر حسد کرتے ہیں اور اسی حسد اور جلن میں ایک دوسرے کا نقصان کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اس شعر میں ظفر اعوان ایسے لوگوں سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے ساتھ سے اکیلے رہنا بہت بہتر ہے جو دل میں بغض، حسد اور کینہ رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ کسی کے سگے نہیں ہوتے جیسے ہی موقع ملے وہ نقصان پہنچائیں گے کیونکہ ان کی فطرت میں ہی لوگوں کو ضرر پہنچانا ہوتا ہے۔

واقعہ کربلا کا بیان:

واقعہ کربلا دس محرم الحرام کو موجودہ اعراق میں کربلا کے مقام پر پیش آیا۔ واقعہ کربلا شاعری میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے یہ ایسا سانحہ ہے جس نے ہر خاص و عام کو متاثر کیا خواہ وہ کسی بھی قبیلے سے یا کسی بھی ملک وقوم سے تعلق رکھتا ہو۔ یہ جنگ نواسہ رسول ﷺ حضرت امام حسینؑ بن علی اور ان کی حامیوں اور رشتہ داروں کے ساتھ اموی حکمرانوں یزید اول کی فوج کے درمیان ہوئی۔ جسے حضرت امام حسینؑ نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس کی بیعت نہ کی۔ یزید اور اس کے حامیوں نے کربلا کے میدان میں ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیے۔ حضرت امام حسینؑ اور ان کے خاندان والوں کا پانی بند کر دیا۔ نیزوں اور تلواروں سے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو شہید کر ڈالا۔ ایک ایک کر کے حضرت امام حسینؑ کے خاندان کے بہتر افراد کو شہید کر دیا گیا۔ خیموں کو آگ لگا دی گئی اور آخر میں حضرت امام حسینؑ کا سر قلم کر کے ظالم یزید کے سامنے پیش کیا گیا۔

جنگ کربلا میں شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ کو ”سید الشہدا“ کا لقب عطا کیا گیا۔

معرکہ کربلا میں ہر طرح کے ظلم و جبر کو حضرت امام حسینؑ اور ان کے خاندان والوں نے سہا لیکن حق بات پر قائم رہے۔ اسی لئے تو آج تک شہدا کربلا کو یاد کیا جاتا ہے حسینؑ زندہ ہیں اور ہمیشہ رہیں گے اور رہتی دنیا تک ملعون یزید کو لعنت و پھٹکار ملتی رہے گی۔ اسی لئے تو شاعر ظفر اعوان بھی اپنی محبت کربلا والوں سے رکھتے ہیں اور اس کا ثبوت ان اشعار میں کچھ اس طرح دیتے ہیں:

محبت کی معراج کرب و بلا ہے
کہ نیزوں پہ قرآں سنائے محبت[۲۲]

ظفر کہتے ہیں کہ اگر کسی نے محبت کی معراج دیکھنی ہو تو واقعہ کربلا سے دیکھے کہ جہاں نیزوں کی نوک پہ قرآن سنائے گئے۔ لاشوں کے ڈھیر آنکھوں کے سامنے ہونے کے باوجود جذبہ ایمان میں رتی برابر بھی لغزش نہ آئی بلکہ جذبہ ایمان مزید بڑھ گیا۔ اسلام دشمنوں نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی کہ کہیں تو ان کا ایمان کم ہوگا کہیں تو یہ اپنے بارے میں سوچیں گے ظفر کہتے ہیں کہ یہ ان اللہ والوں کی اللہ تعالی سے محبت تھی، ان کا اللہ تعالی پر یقین تھا کہ جس کی وجہ سے وہ ایک لمحے کے لئے بھی ڈگمگائے اور نہ لڑکھڑائے بلکہ پورے جوش و جذبے کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے اور نمازوں کی ادائیگی کرتے ہوئے شہادت کو گلے لگایا۔

ظفر اعوان کی شاعری میں جگہ جگہ ایسے اشعار ملتے ہیں جو واقعہ کربلا میں پیش آنے والے ظلم و ستم کی داستاں سناتے ہیں اور یزید کی حیوانیت کا بھی ذکر ملتا ہے۔ حضرت امام حسینؑ کا لہو دین اسلام کی سربلندی کے لئے زمین کربلا میں بہا دیا اور اس واقعہ سے رہتی دنیا تک کے لوگوں کے لئے پیغام دیا کہ دین اسلام کی سربلندی کے اور حق پر قائم رہنے کے

لئے اپنے جان، مال اور اہل وعیال تک کی بازی لگانے سے بھی گریز نہ کیا جائے۔ یہ ایسا پرسوز واقعہ ہے کہ اسے پڑھ کر اسے سن کر ہر آنکھ اشکبار ہو جاتی ہے اور ہر دل پریشان ہوتا ہے۔اس کرب و درد کے آثار چہرے پہ نظر آنے لگتے ہیں جیسا کہ ظفر کہتے ہیں:

وہ حسینی نہیں یزیدی ہے
جو مرے آنسوؤں پہ نالا ہے[۲۳]

ظفر اعوان کہتے ہیں کہ یہ میرے رب کی مجھ پر خاص عنائیت ہے کہ مجھے غم حسینؑ منانے والوں میں شامل کیا ہے، میرا دل حسینؑ کا خیمہ ہے اور مجھ کو کرب و بلا کا عرفان حاصل ہے۔امام حسین اور اہل بیت کی محبت میرے دل میں بستی ہے میرا دل ان کے دکھوں کو اور ان تکالیف کو جن کا انہوں نے شجاعت سے سامنا کیا یاد کر کے آج بھی خون کے آنسو روتا ہے۔یعنی ظفر اس مقام و مرتبے کو خوب پہچانتے ہیں جو کربلا والوں کے حصے میں آیا ہے۔ ظفر کا کہنا ہے کہ کوئی بھی مسلمان تب تک حقیقی طور پر حسینی نہیں ہوسکتا جو حسینؑ پر ہونے والے مظالم پر غمزدہ نہ ہو اور جو اس غم اور نوحہ پر نالاں ہو وہ یزیدی تو ہوسکتا ہے لیکن میرے نزدیک حسینی نہیں ہوسکتا۔ظفر خود کو امام حسینؑ کا ادنی غلام اور ذاکر کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اللہ پاک کا یہ خاص کرم وعنائیت ہے کہ انہیں حسینؑ کے خادموں میں شامل کیا ہے۔ان سے محبت ہمارے ایمان کا حصہ ہے کیونکہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے بھی ان سے بہت محبت کی اور انہیں بڑے لاڈ سے پالا۔

ساون:

ساون بھادوں کی رُت کا نظارہ ہی الگ ہوتا ہے ہر طرف جل تھل ہو جاتی ہے۔ یوں تو ساون ایک موسم کا نام ہے، وہ موسم جس میں پیار کرنے والے بارش میں بھیگتے ہیں ساون

کا موسم ان کو بہت متاثر کرتا ہے۔ بارش جب برستی ہے تو دو پیار کرنے والوں کے تن من دھن کو بھگو دیتی ہے۔ بارش میں خود کو بھگوتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے دل اب سیراب ہو گیا ہو۔ ساون کے موسم میں بارش بادل رم جھم کا سماں ہوتا ہے۔ یہ موسم یوں تو ہر انسان کے دل کو لبھاتا ہے مگر شاعروں کو یہ موسم خاص طور پر بہت متاثر کرتا ہے ااور ان کا دل خوش ہو کر شاعری کے نئے نئے جذبات کا غماز ہوتا ہے۔ ساون میں ہونے والی بارش میں پیار کرنے والوں کے دل مستی سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ ہواؤں کے ساتھ جب محبوب کی زلفیں اڑتی ہیں تو یہ منظر دیکھ کر عاشق کا دل بھی جھوم اٹھتا ہے آسمان پر بادل یوں محسوس ہوتے ہیں جیسے کہ محبوب کی گھنی زلفیں۔ اگر موسم میں محبوب کا ساتھ بھی میسر آ جائے تو ساون کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے لیکن اسی ساون کے موسم میں اگر محبوب پاس نہ ہو تو دل اداسیوں میں ڈوب جاتا ہے۔

ساون کے موسم دلوں میں دو طرح کی یادیں چھوڑتے ہیں ایک وصل کی یادوں کا موسم اور دوسری جدائی کی یادوں کا موسم۔ ظفر اعوان نے بھی اپنے شاعری کے سفر میں ساون کو کئی بار موضوعِ سخن بنایا ہے۔ اپنی کتاب ”مہاجر پرندے“ میں ظفر ساون اور محبوب کا ذکر کچھ اس طرح کرتے ہیں:

پہلو میں یار اور ہے بارش
ہوگا پاگل کوئی جو گھر جائے [۲۴]

ظفر کے اس شعر میں وصل کے حسین لمحات کا ذکر ہے کہ جب ساون اپنے جوبن پر ہو بارش برس رہی ہو اور پہلو میں محبوب ہو تو ایسے میں محب کو گھر بار کا ہوش کہاں رہتا ہے۔ ساون کی برستی بارش میں محبوب کا ساتھ ایسا نشہ طاری کر دیتا ہے کہ گھر جانے کی چاہ بھی دل

میں پیدا نہیں ہوتی۔ عاشق کے دل میں ملن کی خوشی جھوم رہی ہوتی ہے۔ بارش کا پانی جب پاس بیٹھے محبوب کے گالوں سے ہوتا ہوا بہتا ہے تو عاشق کے دل کو سیراب کر دیتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بارش کا ہر قطرہ عاشق کے دل کو سکون دیتا ہے۔ اگر وصل کے لمحات میسر ہوں تو عاشق اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت ترین سمجھتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کا محبوب بھی بارش کی طرح اس پر قربان ہو جائے جیسے دھرتی بارش کو اپنے اندر سمو لیتی ہے ویسے ہی محبوب اس کو اپنی گود میں لے لے۔

اگر وصل کے ملن کے لمحات ہوں تو انسان اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا ہے اس کے برعکس اگر جدائی کے لمحات ہوں اور ایسا موسم ہو تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بارش کا ہر قطرہ آگ بن کر برس رہا ہے اور دل کو سلگا رہا ہے۔ یوں سارا وقت ملن کی یادوں میں گزرتا ہے۔ بیتے دنوں کی یادیں اٹھتی ہیں۔ ان دنوں میں جب ہوا بھی چلتی تو جذبات ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں اور بارش کے قطروں کے ساتھ آنسو بھی بہتے ہیں:

جتنے تھے بارش کے قطرے
برسے ہیں غم اتنے صاحب [۲۵]

جدائی کے موسم میں انسان کی حالت بگڑ جاتی ہے وہ اداس اور پریشان ہو جاتا ہے۔ جب اندر کا موسم ویران ہو تو اسے ہر طرف ویرانی ہی ویرانی نظر آتی ہے۔ ظفر اعوان ان اشعار میں وصل اور جدائی دونوں طرح کے حالات و کیفیات کا ذکر ہے۔ ان اشعار کے ذریعے وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ وصل کے لمحات دل کو تسکین بخشتے ہیں جبکہ جدائی کے لمحے بڑے روح فرساں ہوتے ہیں۔ جب محبوب کا ساتھ ہوتا ہے تو ہر موسم پہلے سے زیادہ رنگین لگتا ہے اور محبوب کے بغیر یہی موسم کاٹنے کو دوڑتا ہے اور ہر شے سونی سونی لگتی ہے۔ جدائی

میں خوبصورت دلنشین مناظر بھی دل کو لبھاتے نہیں بلکہ بے چین کر دیتے ہیں ایسے میں ہر بات یاد بن کر بے چین کر دیتی ہے ظفر اعوان پر بھی کچھ ایسی ہی کیفیت طاری ہے۔

شکوہ شکایت:

خلاف توقع اور اپنی مرضی کے خلاف کوئی بھی کام دیکھ کر ہم شکوہ شکایت کرتے ہیں۔ یہ شکوہ شکایت کسی کو احساس دلانے کے لئے ہوتا ہے کہ جو وہ کر رہا ہے غلط کر رہا ہے یا پہلے ایسا نہیں تھا جو اب ہو رہا ہے۔ شاعری میں محبوب سے شکوہ شکایت عام ہے۔ اور اس سے شاعری کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ ظفر اعوان نے بھی شکوہ شکایت پر طبع آزمائی کی ہے۔ اردو غزل کی یہ عام روایت ہے کہ محبوب اپنے چاہنے والوں سے بے پروائی کرتا ہے۔ عاشق معشوق کے لئے جان تک قربان کرنے کو تیار رہتا ہے جبکہ دوسری طرف سے اسے مسلسل بے رخی کا سانا کرنا پڑتا ہے۔ یہ دنیا بہت ظالم ہے۔ ہر زمانے میں سچی محبت کرنے والوں کے حصے میں جدائی ہی ہوتی ہے۔ تڑپنا اور آہیں بھرنا ہی ان کا مقدر ٹھہرتا ہے۔

کبھی سماجی تو کبھی معاشی اور کبھی خاندانی مجبوریوں کی وجہ سے ہمیشہ ان کے درمیان تعلقات سرد مہری کا باعث بنے۔ جب جان سے بڑھ کر پیارے بے رخی برتتے ہیں تو دل ٹوٹ سا جاتا ہے اور ایسی محبتوں کا انجام بچھڑنا ہی ٹھہرتا ہے۔ جہاں ایک طرفہ جذبات ہوں اور دوسرے بندے کو قدر نہ ہو اس کے جذبات اور احساسات کی پرواہ تک نہ ہو تو مقدر میں جدائی ہی آتی ہے۔ اس شعر میں ظفر اسی بات کی عکاسی بڑی خوبصورتی سے کرتے ہیں:

ٹھہری سانسیں بحال ہو جائیں
جانے والے تو رک اگر جائے[۲۶]

ظفر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر اسے اس بات کا احساس دلانا چاہتے ہیں کہ وہ کتنا اہم ہے۔ سانسیں محبوب کے قدموں سے بندھی ہوئی محسوس ہوتی ہیں ایسا لگتا ہے کہ وہ جوں جوں دور جانے کے لئے اپنے قدم بڑھائے گا سانسیں بھی رکنے لگیں گی اور یہ رکتی ہوئی سانسیں اس تیزی سے دور جاتے ہوئے قدموں کے رکتے ہی پھر سے چلنے لگیں گی اور موت کا سفر زندگی کی طرف واپس پلٹ آئے گا۔ پیار و محبت میں محبوب سے ناراض ہونا پھر اس کو منانا اور ناز نخرے اٹھانا بہت معنی رکھتا ہے۔ ناراضگی میں اگر شدت آجائے تو محبوب سرد مہری کی چادر اوڑھ لیتا ہے اور شکوہ و شکایات کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ پہلے زخم دینا پھر ان زخموں کو کریدنا یہ کہاں کا انصاف ہے، یہ کیسا پیار ہے۔ اگر یہ سب برداشت کی حد سے باہر ہو جائے تو شکایت بن جاتا ہے۔

انسان جب کسی کو چاہتا ہے تو اسے ان چاہتوں کے بہت مان ہوتے ہیں بہت بھروسہ ہوتا ہے اور اسی مان اور بھروسے کو مدنظر رکھ کر جب دوسرے انسان سے شکوہ کیا جاتا ہے تو دوسری طرف سے اگر مسلسل بے رخی دکھائی جائے تو دل بری طرح سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اس دنیا میں ہر کوئی اپنی قسمت لے کر پیدا ہوتا ہے کسی کو یہاں ناکامیاں اور تکلیفیں ہی ملتی ہیں اور کوئی جیت کا تاج سر پر سجاتا ہے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اپنوں کی بے رخی بہت تکلیف دیتی ہے اور پھر اپنوں کی بے رخی پر اعتراض تو بنتا ہے کیونکہ شکوہ شکایت بھی تو اپنوں سے ہی ہوتا ہے اور وہیں ہوتا ہے جہاں کوئی تعلق ہوتا ہے۔ ایک مخلص انسان اپنی پوری کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنے تعلقات کو بچائے۔ لیکن جب دوسری طرف سے مسلسل بے رخی برتی جائے دل توڑا جائے تو وہ تعلق کسی صورت استوار نہیں رہ سکتا۔

تشبیہ:

تشبیہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی کسی دوسرے سے مثال دینا، مشابہ یا ہم

شکل قرار دینا کے ہیں۔ یہ ایک ایسی صفت ہے جس میں دو اشیا کے درمیان کوئی مشابہت ہونے کی وجہ سے ایک شے کو دوسری شے سے مشابہ قرار دینا ہے۔ جیسے گلاب کی پنکھڑی میں تازگی کی بنا پر لب کو گلاب کی پنکھڑی کہنا۔ اس میں دو الگ الگ چیزوں کا وجود ہونا ضروری ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ان دونوں میں مشابہت لازمی ہو اور ان میں عقل و حقیقت کی مطابقت ہونا ضروری نہیں ہے۔ تشبیہ مجاز نہیں ہوتی بلکہ مجاز کو پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ نجم الغنی خان تشبیہ کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''تشبیہ سے مراد دلالت ہے دو چیزوں کی جو آپس میں جدا جدا ہوں مگر ایک معنی میں شریک ہونے پر اس طرح کے بطور استعارے کے نہ ہو اور نہ بطور تجرید کے ہو۔[۲۷]''

ایک مضمون کو مختلف انداز سے بیان کرنے کے لئے ضابطے استعمال کیے جاتے ہیں ان میں طریقہ تشبیہ ہے جو علم البیان کی ایک صورت ہے۔ تشبیہ دینے کے لیے سا، سی، کی طرح، ایسا، ویسا، گویا، یوں، مانند وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ جس چیز کو کسی دوسری چیز سے تشبیہ دی جائے اسے مشبہ اور جس چیز سے دی جائے اسے مشبہ بہ کہتے ہیں۔ مشبہ اور مشبہ بہ کو طرفین کہتے ہیں ان میں مشترکہ صفت ہونا ضروری ہے۔ ظفر اعوان کی شاعری میں ہمیں بہت سی نادر تشبیہات ملتی ہیں جو صرف ان کی شاعری کا خاصہ ہیں ان کا یہ شعر دیکھئے جس میں خوبصورتی سے تشبیہ کا استعمال کیا گیا ہے:

وہ دکھ ہجرتوں کے نہیں جانتا ہے
کہ مارے ہیں جس نے مہاجر پرندے[۲۸]

اس شعر میں ظفر اعوان نے پردیس میں رہنے والوں کو کیا خوبصورت انداز میں مہاجر پرندوں سے تشبیہ دے کر پردیسیوں کی کیفیت کی عکاسی کی ہے کہ کس طرح پردیس میں

وطن سے دور رہنے والے ساتھی جن کے دل اپنے وطن میں ہی ہیں وہ مہاجر پرندوں کی طرح پھڑ پھڑا رہے ہیں اور اپنے وطن کی یاد میں تڑپ رہے ہیں۔ظفر کہتے ہیں ہجرتوں کے دکھ اور پردیسیوں کے دل کا حال صرف پردیسی ہی جان سکتے ہیں۔کوئی بھی انسان بخوشی اپنوں سے اور اپنے پیارے وطن سے دور نہیں جاتا بلکہ یہ لوگ غربت و افلاس کے ستائے ہوئے ہیں جو دیارِ غیر میں بیٹھے تڑپ رہے ہیں۔ان اشعار میں ظفر نے بڑی خوبصورتی سے ہجرت کا کرب بیان کیا ہے اور دیارِ غیر میں بسنے والوں کو مہاجر پرندے کہہ کر مخاطب کیا ہے اور اس قدر مہارت سے تشبیہات کا سہارا لیتے ہوئے پردیسیوں کی مشکلات اور دکھوں کی عکاسی کی ہے کہ پڑھنے والا داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

تخلص کا استعمال:

وہ منفرد اور مختصر نام جسے شاعر اپنی شاعری میں استعمال کرتا ہے تخلص کہلاتا ہے۔شاعر اپنے ذاتی اور خاندانی نام کے علاوہ جو نام شناخت کے طور پر استعمال کرتا ہے اصطلاحاً اسے تخلص کہتے ہیں۔تخلص کا استعمال عموماً غزل کے مقطع میں ہوتا ہے، مقطع کے بغیر کوئی بھی غزل نہ مکمل سمجھی جاتی ہے اور تخلص مقطع کا لازمی جزو ہے۔اگرچہ تخلص کا استعمال شاعری میں مقطع سے ہٹ کر بھی کیا جاتا ہے۔بعض شعرا نے تخلص کو بطور ردیف بھی استعمال کیا ہے۔ میر نے مطلع میں بھی تخلص کا استعمال کیا ہے۔

ظفر اعوان نے بھی اپنے شاعری میں تخلص کا استعمال بڑی خوبصورتی سے کیا ہے۔ بعض جگہ وہ تخلص کا استعمال بطور تخاطب کرتے ہیں اور بعض جگہ کسی خصوصیت کا اظہار کرنے کے لئے تخلص کا استعمال کرتے ہیں۔تخلص کا استعمال کرتے ہوئے وہ کہیں فن پر بات کرتے ہیں تو کہیں محبتوں اور چاہتوں کی مالا جپتے ہیں وفا اور چاہت پر ظفر کا یہ شعر دیکھئے:

ہے تعلق ظفر یہ سارا چاہت کا
ہے وفا سے جڑا یہ رشتہ اچھا ہے[۲۹]

اس شعر میں ظفر نے جو انداز تخاطب اختیار کیا ہے اس میں وہ خود کو مخاطب کر کے کہتے ہیں ظفر یہ سارا کھیل چاہت کا ہے یہ وفاؤں سے جڑا رشتہ بہت اچھا لگتا ہے۔ جو لمحے ایک ساتھ میسر آجائیں وہ ہی اچھے ہیں۔ ایک ساتھ مل کے جتنا سفر طے ہو جائے وہی یادگار ہے۔ میرے دکھ درد میں تیرا غمگین ہونا مجھے اچھا لگا۔ یہ سب دل کے رشتے ہیں جو پیار کے رنگوں سے ہم نے قصہ وفا لکھا یہ ساری دنیا سے اچھا رشتہ ہے۔ اگر کسی رشتے میں وفا نہ ہو تو اس کا وجود دھوکے کے سوا کچھ نہیں اس لئے ظفر کہتے ہیں کہ کسی بھی تعلق کی اصل روح اس کی بنیاد چاہت و وفا پر ٹکی ہوتی ہے جتنی کسی رشتے میں وفا ہو گی اتنا ہی تعلق کامیاب ہو گا۔

اداسی:

اداسی ایک ایسی اندرونی کیفیت کا نام ہے جو کسی کے خیالات، رویے، جذبات اور خوشی کے احساس پر غالب آجاتی ہے اور انسان کے مزاج پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ کیفیت بعض اوقات وقتی ہوتی ہے اور اس کا سارا دارومدار ہماری سوچ اور خیالات پر ہوتا ہے جو کچھ تو خارجی واقعات کی بدولت ہوتے ہیں لیکن زیادہ تر ہمارے ذہن کے پیدا کردہ ہوتے ہیں۔ اس کیفیت کا اثر انسان کے دل پر ہوتا ہے جس کی وجہ سے اردگرد کی ہر چیز ویران اور اداس لگتی ہے۔ اداسی کی کیفیت تب پیدا ہوتی ہے جب دل میں کچھ حاصل نہ کر سکنے کی ناامیدی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے دل و دماغ میں بہت سے خیالات، خواہشات پنپتی ہیں۔ ان میں سے لاحاصل خواہشات اداسی کا سبب بنتی ہیں اور اس انسان کو کوئی بھی چیز اچھی نہیں لگتی۔

ظفر اعوان نے اپنی شاعری میں اداسی کو نہایت دلفریب و دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔ اداسی کی ایک بہت بڑی وجہ محبت میں ناکامی یا محبوب سے عارضی، وقتی جدائی بھی ہوتی ہے۔ جب نہ پورے ہونے والے خواب آنکھوں میں حسرت بن کر اترتے ہیں تو دل بوجھل ہو جاتا ہے اور اداسی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اگر دل میں اداسیوں نے ڈیرے لگا لیے ہوں تو یہ اداسیاں آنکھوں کے راستے سے بہتی ہیں اس کیفیت کو شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

آتشِ محبت میں گھر جلا کے بیٹھے ہیں
روشنی کو چھونے کا تھا خمار کیا کرتے[۳۰]

یہاں شاعر اپنے آپ کو قصوروار ٹھہراتے ہوئے کہتا ہے کہ میرا ہی قصور ہے کہ مجھے خوشی کو چھونے کا خمار چڑھا ہوا تھا یعنی محبت میں اس قدر آگے بڑھ چکے تھے کہ واپسی کے راستے نہ تھے اور یہ عشق کی آگ ایسی ہے جو بجھائے نہ بجھے، سب کچھ جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہے کہ اس میدان میں قدم رکھتے ہی اپنا گھر بار جلا بیٹھا ہوں اور ہوں بھی خالی ہاتھ۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ دنیا بڑی بے وفا ہے اندھیروں میں چلنے والوں کو تنہا چھوڑ دیتی ہے۔ عاشقوں کی قسمت میں یہی کچھ ہوتا ہے وہ الفت و محبت میں در در کی خاک چھانتے ہیں اور ان کے ہاتھ سوائے بدنامی کے کچھ نہیں لگتا۔ آخر میں اداسی، رسوائی ان کا مقدر ٹھہرتی ہے۔

یادیں:

یادیں شاعری کا اہم موضوع تصور کیا جاتا ہے۔ یہ بظاہر چھوٹا سا لفظ ہے لیکن اپنے اندر ایک دنیا آباد کیے ہوئے ہے۔ یہ لفظ خوشی کے شادیانوں کے لمحات بھی اپنے اندر رکھتا ہے اور

اذیت وکرب کا وقت بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے ہر انسان کی زندگی میں بہت سے لمحات ایسے آتے ہیں جنہیں وہ چاہ کر بھی نہیں بھلا سکتا۔ کچھ لمحے تو حسین یادوں کی صورت میں ہمیشہ ذہن و دل کے گوشے میں زندہ رہتے ہیں اور کچھ لمحے ناخوشگوار یادوں کے طور پر۔

یادوں کا تنہائی سے بہت گہرا تعلق ہے۔ جب تنہائی میں یادوں کا میلہ لگا ہوا ہوتا ہے تو تنہائی میں اکیلے بیٹھے بھی اس انسان کے لیے محفل کا سماں ہوتا ہے۔ جب اکیلے بیٹھے انسان اپنے ماضی پر نظر دوڑاتا ہے تو بہت سی یادیں فلم کی صورت میں اس کے ذہن کے پردے پر چلنا شروع ہو جاتی ہیں۔ یادیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک خوشگوار یادیں اور دوسری ناخوشگوار یادیں۔ خوشگوار یادیں انسان کے لیے خوشی کا باعث بنتی ہیں اور ناخوشگوار یادیں، اداس اور پریشان کر دیتی ہیں۔

ظفر اعوان نے بھی اپنے اس شعری مجموعے میں ”مہاجر پرندے“ کی غزلوں میں مختلف قسم کی یادوں کا اشعار کے ذریعے بخوبی اظہار کیا ہے۔ وہ محبوب سے دوری اور اس کے ساتھ گزرے حسین وقت کی یادوں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ اور چونکہ وہ پردیس میں ہیں اس لیے اپنے وطن میں گزرے حسین لمحات کو یاد کر کے اداس ہو جاتے ہیں اور آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ یادیں ان کے لیے سرمایہ حیات ہیں۔ یادوں سے جان نہیں چھڑائی جا سکتی۔ جب خوشگوار یادیں آتی ہیں تو انسان اکیلا بیٹھے بھی مسکرا رہا ہوتا ہے جب کہ ناخوشگوار اور تلخ یادیں اسے محفل میں بھی تنہا کر دیتی ہیں اور اس کے اثرات اس انسان کے چہرے سے عیاں ہو رہے ہوتے ہیں ظفر لکھتے ہیں:

ہجر کے موسم میں ہم نے تنہائی سے
یادوں کی تعمیر کو پڑھنا سیکھا ہے [۱۳]

جب تنہائی میں انسان اکیلا بیٹھا سوچوں میں گم ہوتا ہے اس وقت اس کو گزرا ہوا وقت شدت سے یاد آ رہا ہوتا ہے اس شعر میں بھی شاعر یہی کہتا ہے کہ ہجر و فراق کے موسم میں تنہا بیٹھ کر میں نے اے میرے محبوب تیری یادوں کی تعمیر کو پڑھنا سیکھا ہے۔ تم تو میرے پیار کے افسانے کو پڑھنا اور دہرانا بھول گئے ہو لیکن میں نہیں بھولا۔ ہم نے تو اے ظالم تیری آنکھوں میں دیکھ کر ہی ظلم کی شمشیر کو پڑھنا سیکھا ہے۔ تیرے ہر حیلے بہانے سے میں اچھی طرح واقف ہوں اس لیے میں اچھی طرح تیرے تاخیر سے آنے کا سبب جانتا ہوں۔ ماضی کی یادیں عذاب کی طرح ساتھ ساتھ ہوتی ہیں۔ انسان ان سے لاکھ جان چھڑائے پر جان نہیں چھوٹتی۔ ہجر کے موسم میں جب یادوں کا ساون تن من بھگو دیتا ہے پھر ہر طرف یادوں کی ہی انجمن ہوتی ہے۔ ان لمحات کی یاد آتی ہے جب محبوب ساتھ ہوتا ہے وہ حسین لمحات جو وصلِ یار میں گزرے ہوں وہ سب سے پیارے لگتے ہیں۔ ہر طرف یادوں کی انجمن سج جاتی ہے۔ ان لمحات کی جب یاد آتی ہے تو ہر موسم دل کے موسم کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ یہی یادیں انسان کے جینے کا سہارا ہوتی ہیں۔ ظفر اعوان کا ایک اور بڑا ہی خوبصورت شعر دیکھیے جس میں وہ موسموں اور یادوں کا ذکر بڑی دلکشی سے کرتے ہیں:

یاد سے حرارتیں لے کے مستعار پھر
بن ترے گزار دی سردیوں کی شام بھی[۳۲]

محبوب سے بچھڑنے کے بعد بھی اس کی یادیں پیچھا نہیں چھوڑتی اور وہ کبھی کبھی تنہائی میں محبوب کو یاد کر کے خوش ہو جاتا ہے تو کبھی غمگین۔ شاعر کہتا ہے اے میرے پریتم میں نے تیری یادوں سے حرارتیں ادھار لے کر اپنے آپ کو تیرے خیالوں میں گم کر کے خوش فہمیوں کے سلسلے دراز کر کے تیری یاد میں تیرے بغیر سردیوں کی طویل شام اور پھر رات

گزار دی ہے۔ مجھے تیرے لوٹ آنے کا انتظار ہر لمحہ رہتا ہے مگر تو لوٹ کر نہیں آیا۔ ہم تو اس چاہ میں جی رہے ہیں کہ توں میری یاد میں کبھی غمگین نہ ہو میرا خیال تجھے پریشان نہ کر دے۔ اس لیے تیرے سامنے ہم خوش رہنے کی اداکاری کرتے ہیں۔

جب محبوب کے ساتھ گزرے لمحے یاد آتے ہیں تو ہم تنہائی میں ان یادوں کے لمحات کے ساتھ خوشی مناتے ہیں اور یہ یادیں قرار دیتی ہیں۔ شاعر کہیں محبوب کے ساتھ گزرے وقت کو یاد کر کے خوش ہوتا ہے اور کہیں پر غمگین ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بچھڑ جانے کے بعد محبوب کی بے وفائی پر روتا ہے۔ وہ اپنے محبوب کو کیے ہوئے دعوے، وعدے یاد کراتا ہے لیکن بے سود۔ اس پر کسی چیز کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔ یادوں کی بھیڑ میں انسان اس قدر گم ہوتا ہے کہ اسے اپنے آپ کی، دنیا و مافیا کی کوئی ہوش نہیں رہتی۔ مگر وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہے۔ ان کی اپنے دل کے ساتھ ہمیشہ جنگ رہتی ہے کہ اس کا محبوب اسے چھوڑ کر چلا گیا اور وہ اپنے دل کو سنبھالنے، سمجھانے کی کوشش میں لگے رہتا ہے کہ اب اسے یاد کرنا ہی چھوڑ دے مگر ناکام رہتا ہے۔ شاعر اپنے محبوب سے والہانہ محبت کا اظہار کرتا ہے، محبت قربانی مانگتی ہے۔ کوئی انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کی خوشی کے لیے کچھ بھی کر گزرنے کو تیار رہتا ہے اور محبوب کی طرف سے عطا کردہ غم بھی اسے خوشی بخشتے ہیں۔

عشق:

عشق سے مراد کسی کا ہو جانا ہے۔ کسی کے آگے سر جھکانا، مکمل خودسپردگی کے عمل کو عشق کہتے ہیں۔ یہ ایک جنون ہے ایک غیر متوازن جذبہ جس میں انسان اپنا توازن کھو بیٹھتا ہے اور کسی ایک جانب مرکوز ہو جاتا ہے۔ عشق کے اپنے لغوی معنی و مفہوم میں تو پھٹ جانا، کے ہیں جبکہ متصوفانہ اصطلاح میں دراصل یقین کی انتہائی صورت عشق ہے۔ ایک صوفی عشق کو

اس طرح بیان کرتا ہے"عشق اس آگ کا نام ہے جو عاشقوں کے دل اور سینے میں جلتی رہتی ہے اور خدا کے سوا جو کچھ ہے اسے جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ بالکل یہی کیفیت ایک انسان کی دوسرے انسان کے لئے ہوسکتی ہے۔ عشق کی دو صورتیں ہیں۔ عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی۔ عشقِ حقیقی کا مدار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جبکہ مجاز میں انسان کے مکمل وجود کی طلب اور اپنی طلب کو عشقِ مجازی کے دائرے تک رکھتا ہے اور عشقِ حقیقی میں مجاز سے ماورا ہو کر حقیقت کا طالب ہوتا ہے۔ اس میں وجود کی طلب نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ باری تعالیٰ ہی وہ واحد ذات ہے جو عشقِ حقیقی کی مترادف ہے۔ جب کہ عشقِ مجازی کے شمار میں کوئی بھی آ سکتا ہے۔ عاشق کے لیے معشوق ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ وہ اس کی خوشی میں خوش ہوتا ہے محبت کے شدید جذبے کو عشق کا نام دیا جاتا ہے۔ ایسی بے لگام تڑپ جو کسی قاعدے قانون کی پابند نہیں۔ یہ سفر فنا سے بقاء کا ہے۔ یوسف خان بھی عشق و محبت کو غزل کا اہم موضوع تصور کرتے ہیں:

> ''غزل گو شاعر کے نزدیک عشق پوری زندگی پر حاوی ہے۔ جس طرح فطرت کے مظاہر اور ان کی قوتیں ایک زنجیر میں بندھی ہوئی ہیں اسی طرح زندگی بھی تعلقات کی سنہری ڈوریوں سے جکڑی ہوئی ہے۔ یہ تعلق فطری بھی ہے اور معاشرتی بھی۔ ۳۳''

غزل شعرا کی بہت پسندیدہ اصنافِ سخن میں سے ہے یہ ان کی پوری زندگی کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ اللہ پاک کی قدرت ہے کائنات کے تمام مظاہر آپس میں کسی نہ کسی طرح جڑے ہوئے ہیں اسی طرح انسانوں کی زندگیاں بھی آپس میں لوگوں کے ساتھ دور و نزدیک کے تعلقات کی ڈور سے بندھے ہوئے ہیں۔ ان تعلقات کی نوعیت مختلف ہوسکتی

ہے لیکن ان کی افادیت ایک سے بڑھ کے ایک ہے۔ یہ زندگی کا حسن جو ہے صرف اور صرف ان تعلقات کی وجہ سے ہے اور یہ تعلقات جو قائم و دائم ہیں یہ صرف اور صرف عشق و محبت کی بنا پر ہیں۔ چاہت و خلوص کے بغیر کسی بھی رشتے کا کوئی وجود ممکن نہیں۔ شعرا ان چاہتوں کے اظہار کے لئے غزل گوئی کا سہارا لیتے ہیں۔

کسی انسان کے لیے اپنی انا کو ختم کرنا عشقِ مجازی ہے۔ عشق اور محبت میں یہ فرق ہے کہ محبت کسی سے بھی ہو سکتی ہے مثال کے طور پر والدین سے، اشیاء سے، کسی جگہ سے یا چیز سے لیکن اس کے برعکس عشق میں محبوب کہ علاوہ کسی دوسرے کا تصور نہیں ہوتا۔ محبت میں عقل کا ساتھ رہتا ہے لیکن قبلہ عشق عقل سے محرومی کا نام ہے۔ دراصل اپنی انا، نفس سے منہ موڑ لینے کا نام ہے۔ کسی ایک شخص کے لیے اپنی انا کو قربان کر دینے کا نام عشق ہے۔ عشق کی منزل میں آخری منزل اپنی جان کی قربانی ہے۔ اس میں بہت سوں نے اپنی جان گنوائی اور سر کٹوائے۔ اس عشق میں حضرت امام حسینؓ نے اپنے نانا کے دین کی سربلندی کے لیے سر کٹوایا۔ عشق نہ ذات دیکھتا ہے نہ رنگ و نسل۔ اس میں کسی سے کوئی رعایت نہیں۔ یہ تو بس قربانی مانگتا ہے۔ عشق میں چارہ گری نہیں ہوتی۔ عاشق کے بس میں کچھ نہیں ہوتا، اسے اپنے آپ پر اختیار نہیں ہوتا۔ محبوب کی راہ تکتے تکتے عاشق کی آنکھیں پتھرا جاتی ہیں۔ اس انتظار میں شام، رات اور سحر میں تبدیل ہو جاتی ہے:

کاروبارِ عشق میں صاحب
نفع اور خسارے جھوٹے[۳۴]

ظفر اعوان بھی عشق کے موضوع کو بیان کرتے ہیں کہ عشق کے میدان میں انسان جب کود جاتا ہے تو اسے نفع و نقصان کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ عشق کرنے والوں کو تنہائی، آس

،امید اور راتوں کا جاگنا ہی ملتا ہے۔ یہ سب عشق کی ہی سوغاتیں ہیں اور یہی ان کا کل اثاثہ ہیں۔عشق میں چارہ گری نہیں ہوتی، یہ تو بس بے چارگی کا نام ہے۔ عاشق کے دل میں خواہشات کا جنم ہوتا ہے لیکن اسے ان خواہشات پر اختیار نہیں ہوتا۔ وہ تو بس سرِ تسلیم خم کرتا ہے اور جی حضوری کا راگ الاپتا ہے۔ جب عشق کی آگ لگتی ہے تو اس کی تپش اس قدر تیز ہوتی ہے کہ تن، من، دھن سب جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ عاشق اپنی ہی دنیا میں مصروف ہوتا ہے۔ اسے دنیا اور دنیا والوں سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اس کی کل کائنات ایک ہی شخص ہوتا ہے جو اس کے دل و دماغ پر چھایا ہوتا ہے۔ اسے ہر جگہ وہی نظر آتا ہے۔عشقیہ شاعری صرف ہماری ہی نہیں بلکہ دنیا کے شعرا کا بہت بڑا اور اہم موضوع وعنصر ہے۔ ہر زبان کی کچھ زندہ روایات ہوتی ہیں، جو زندہ شعراء کی بدولت تشکیل پاتی ہیں۔ظفر اعوان نے بھی شاعری کی اس روایت کو برقرار رکھتے ہوئے عشق و محبت کے موضوع کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔

خواب:

کچھ خواب جاگتی آنکھوں سے دیکھے جاتے ہیں اور کچھ سوتے ہوئے۔ ہر کوئی خواب دیکھتا ہے۔ یہ خواب کئی طرح کے ہوتے ہیں مثلاً آنے والے اچھے وقت کے خواب، کچھ نا آسودہ خواہشات کی تکمیل کے خواب، اچھا گھر، سٹیٹس، نوکر چاکر، گاڑی، بنگلہ وغیرہ کے خواب۔ الغرض کئی ہی ایسی حسرتیں جن کے پورا ہونے کا خواب انسان دیکھتا ہے۔ اور یہ امید کرتا ہے کہ ایک دن یہ خواب حقیقت کا روپ دھار لیں گے۔ انسان خواب دیکھے گا تو ان کی تکمیل کے لیے جدوجہد کرے گا۔ اگر کوئی انسان یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس زندگی کی ساری آسائشیں ہوں تو یہ لازمی امر ہے کہ وہ اس کے لیے تگ و دو کرے۔ ہاتھ پر ہاتھ

دھرے بیٹھے رہنے سے اور محض خواب وخیال کی دنیا میں کھوئے رہنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا بلکہ اس کے لیے عملاً جدوجہد کرنا ہوگی۔

آج کے دور میں جس قدر ترقی ہوئی ہے اس کے پیچھے محرکات میں اہم محرک خواب ہیں۔ اگر کوئی شخص مستقبل میں ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر بننا چاہتا ہے یا کوئی بھی کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ جدوجہدِ عمل کرے۔ پھر ہی وہ اپنے ان خوابوں کی تکمیل کر سکے گا۔ وہ اپنے خواب پورے کرنے کے لیے مسلسل محنت کرے گا، دل لگا کر پڑھائی کرے گا، وقت اور سرمایہ لگائے گا تو ہی اپنی منزل کو پا سکے گا۔ اور انسان کبھی یہ نہیں چاہے گا کہ وہ جو خواب دیکھتا ہے اس سے چھن جائیں۔ یہ خواب ہی تو ہیں جو انسانوں کو زندہ رکھے ہوئے ہیں اور آنے والے اچھے کل کے لیے محنت پر اکساتے ہیں۔ اگر انسان ناامید ہو جائے گا تو وہ کوشش کرنا ہی چھوڑ دے گا اور اس طرح کبھی اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔ ظفر اعوان نے اپنی کتاب "مہاجر پرندے" میں خوابوں کے بارے میں یوں اظہارِ خیال کیا ہے:

اب ظفر چاہے آؤ خوابوں میں
اب نہیں ملنا با خدا تم سے[۳۵]

ظفر اعوان حقیقت پسند شخص ہیں۔ وہ صرف خواب وخیال میں ہی کھوئے نہیں رہتے بلکہ حقیقت سے بھی نظریں نہیں چراتے۔ وہ صاف گو، سچے اور برملا اظہار کر دینے والے شخص ہیں۔ اس کا عکس ان کی غزل کے درج بالا اشعار میں بخوبی نظر آتا ہے۔ ظفر کہتے ہیں تم تو ایسی ساحرہ ہو جو تمھیں ایک بار دیکھ لے اس سحر میں قید ہو کر رہ جاتا ہے۔ جو ایک بار دیکھ لے وہ بار بار دیکھنے کی تمنا کرتا ہے۔ تم اس قدر بے وفا ہو کہ ہم نے جو تم سے بارہا کہا وہ

آج تک تم سے نہ ہوسکا۔ تمھیں بہت واسطے دیے اس تڑپتے دل اور ترستی آنکھوں کہ ساتھ کہ ایک بار مل لو۔لیکن اے بے وفا تجھ پر میری کسی بات کا اثر نہ ہوا۔ بلکہ تم نے میرے عدو کے ساتھ رشتہ استوار کیا ہوا ہے۔تمھاری محفل میں اپنے قاتلوں کو دیکھ کر دل خون کے آنسو رویا ہے۔تم نے اس دل کو برباد کر دیا ہے۔تم سے دیکھ کر تو جگ نے بے وفائی سیکھی ہے۔اس لیے اب چاہے تم خوابوں میں آؤ یا حقیقت میں۔اب اس دل میں تم سے ملنے کی کوئی حرارت باقی نہیں رہی۔اب باخدا ہمیں تم سے نہیں ملنا۔

ہم نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ بعض خوابوں کی عمر اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ بس آنکھ کھلنے کی دیر ہوتی ہے۔سب کچھ بکھر کر ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے۔کچھ ایسا ہی ہمارے ساتھ بھی ہوا ہے کہ میری جب آنکھیں کھلیں تو سارے خواب ٹوٹ کر بکھر گئے ہیں اور ان خوابوں کے ٹوٹنے نے مجھے بھی اس قدر توڑ ڈالا کہ میری ذات کی کرچیاں بکھر گئی ہیں اور ستم یہ کہ ان کو سمیٹنا بھی مجھے خود ہی ہے۔یہی اس زندگی کی حقیقت ہے۔یہاں سب کچھ فانی ہے۔خواب دیکھنا آسان لیکن ان کی تعمیر پانا مشکل امر ہے۔ظفر اعوان نے بھی اپنی شاعری میں خوابوں کی اہمیت واضح کی ہے۔ان کے ہاں خواب ایمان کے درجے میں آتے ہیں۔یہ خواب ان کی زندگی اور زندگی کے مقصد کو ظاہر کرتے ہیں۔اس میں آسودگی بھی ہے اور بے قراری بھی۔ان کی زندگی اور طرح کی ہے اور خواب اور طرح کے ہیں۔بالکل ایسے ہی ہیں جیسے اندھیری رات میں روشنی۔وہ بھی ایسی روشنی جو کسی کام نہ آسکے۔خوابوں کے راستے چلنے والے نئے راستے پالیتے ہیں اور پرانے راستوں کو پامال کر دیتے ہیں۔

آنسو:

آنسو ضبط کی انتہا کا نام ہے۔آنسو صرف آنکھوں سے بہنے والا پانی نہیں ہوتا بلکہ اس

کے پیچھے کئی قسم کے جذبات چھپے ہوتے ہیں۔آنسو دراصل خوشی اور غم کی مختلف کیفیتوں کے عکاس ہوتے ہیں۔آنسوؤں کے آنے کا سبب دکھ، درد، رنج و الم، ہجر اور جدائی ہوتی ہے۔انسان بے بسی اور لاچاری کے عالم میں آنسو بہاتا ہے۔جب انسان ضبط کی آخری حد کو پار کر جاتا ہے تو اس کی ہمت جواب دے دیتی ہے۔اور اس کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔کبھی یوں بھی ہوتا ہے انسان تنہائی میں بیٹھا گزرے ہوئے وقت کے بارے میں سوچ رہا ہوتا ہے اور آنسو اس کے ضبط کی حدوں کو پار کر کے آنکھوں سے رواں ہو جاتے ہیں اور انسان کے جی بھر کر رو لینے سے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔خوشیوں کی عمر تھوڑی ہوتی ہے اور غم کی عمر لمبی ہوتی ہے۔خوشیاں ہاتھ میں ریت کی مانند پھسلتی جاتی ہیں اور غم دیرپا ہوتے ہیں۔جب انسان کو کہیں راحت میسر نہ ہو تو غم نڈھال کر دیتے ہیں پریشانی کے عالم میں کبھی کبھی آنسو کسی نعمت سے کم نہیں ہوتے۔جب انسان دکھوں کے دریا میں ڈوب جاتا ہے تو آنسوؤں کے ذریعے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔آنسوؤں کا سبب اگر کوئی انسان ہو تو اس کی محبت ہی ہوتی ہے جو انسان کو بے بس کر دیتی ہے۔بے بسی کے عالم میں انسان خود کو بہت مضبوط کر کے کہتا ہے کہ میں نے ضبط کرنا سیکھ لیا ہے، بہت حوصلہ ہے مجھ میں لیکن عین اسی لمحے جذبات کی شدتِ ضبط سے آزاد ہو کر ایک سلگتا ہوا آنسو رخسار پر ٹپک پڑتا ہے۔دراصل وہ انسان اندر سے ٹوٹ چکا ہوتا ہے۔بظاہر دنیا کو دکھانے کے لیے ہنستا مسکراتا ہے لیکن اس کے دل کا حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کس کرب سے گزر رہا ہوتا ہے۔اپنے اندر ہی اندر انسان کیسی جنگ لڑ رہا ہوتا ہے یہ تو وہ شخص ہی بہتر جانتا ہے۔کچھ ایسی ہی کیفیت کی عکاسی ظفر اعوان کا یہ شعر کر رہا ہے:

میں تو اب تک آنسو پینا سیکھ رہا ہوں
مشکل ہے پر تم بن جینا سیکھ رہا ہوں[۳۶]

یہ ضبط کی آخری حد ہوتی ہے جب کوئی انسان یہ کہتا ہے کہ میں آنسو پینا سیکھ رہا ہوں اور تمھارے بغیر جینا سیکھ رہا ہوں۔ عشق محبت میں دل زخموں سے چور چور ہو جاتا ہے۔ اس میں وصل کے لمحات کم اور جدائی میں تڑپنا زیادہ ہوتا ہے پھر دل کے چاک سینا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس غزل میں شاعر نے اسی طرح کے جذبات کی عکاسی کی ہے وہ کہتا ہے کہ جب لہریں دشمن ہوں اور سمندر بہت گہرا ہو تو انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ سفینہ کیسے پار لگے گا۔ انسان کی زندگی میں چاہے غمِ روزگار ہو یا غمِ عشق یا غمِ زمانہ اس کا انجام رونا ہوتا ہے اور آنسو بہانا ہی ہوتا ہے۔ جب دل پریشان ہو، تڑپے تو آنکھ سے آنسو نہیں لہو بہتا ہے۔ شاعر کی زندگی میں انھوں نے اپنی آنکھوں سے آنسوؤں کی جگہ لہو کو بہتے دیکھا ہے۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ اب ان آنسوؤں کو ضبط کرنا، پینا سیکھ رہا ہوں۔ جب ضبط اور صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو درد آنکھوں کے راستے بہہ نکلتا ہے اور بعض اوقات انسان بے بسی کے عالم میں کہتا ہے کہ اب یہ آنسو کسی کے لیے نہیں بہیں گے۔

اضطراب:

لفظ اضطراب کا مطلب ہے تکلیف یا تکلیف کی حالت میں ہونا۔ جس میں کوئی شخص کسی پریشانی کے بغیر کسی وجہ سے دوچار ہو سکتا ہے جس سے قابو پانے یا مسئلے کا حل نہ ہونے کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ ماہرین نے وضاحت کی ہے کہ اضطراب کی خرابی ہر بڑھتے دن کے ساتھ پھیل رہی ہے۔ یہ ایسی حالت ہے جس میں انسان کا مزاج بے چین ہو جاتا ہے۔ یہ خوف، بے چینی اور تشویش پیدا کرتا ہے۔

یہ ایک تکلیف دہ جذباتی کیفیت ہے جو ذہنی اضطراب اور جسمانی بے چینی، ڈر اور خوف کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ اکثر و بیشتر صورتوں میں اضطراب میں مبتلا انسان کو سمجھ نہیں

آتی کہ وہ کیوں پریشان ہے۔اس کے اثرات جسم پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔حلق سوکھ جاتا ہے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔ظفر اعوان معاشرے کے حالات و واقعات پر کڑھتے ہیں۔معاشرے کی بے حسی انہیں ہر وقت مضطرب رکھتی ہے۔ہمارا ملک اور معاشرہ روز بروز تنزلی کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔بدامنی، کرپشن، غربت یہ ساری باتیں شاعر کو بے چین رکھتی ہیں اور کوئی ان کے خلاف آواز اٹھانے والا نہیں۔وہ بے چین ہے کہ اب حالات کب صحیح ڈگر پر آئیں گے اسی لیے تو ظفر کہتے ہیں:

زمیں ہو گئی تنگ تیری خدایا
ہواؤں میں سوئے مہاجر پرندے[۳۷]

ان کا دل معاشرے کے ایسے حالات دیکھ کر خون کے آنسو روتا ہے۔جس معاشرے میں بدامنی ہو ظلم و ستم کا بازار گرم ہو، ہر وقت خوف و ہراس چھایا رہے، کسی کی جان و مال محفوظ نہ ہو، وہاں انسان کو جان و مال کی فکر لاحق رہے، وہ معاشرہ کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ ایسے معاشرے میں لوگ بچتے بچاتے اپنی جان کی امان کی راہ ڈھونڈتے ہیں۔ان کے لیے زمین تنگ ہو جاتی ہے۔پھر ایسے لوگ مہاجر پرندوں کی طرح کہیں دور ہواؤں میں سوتے ہیں یعنی وہاں سے نقل مکانی کر جاتے ہیں۔وہ خود بھی وطن سے دور ہیں، وہ نقل مکانی اور ہجرت کے دکھ کو اچھی طرح سے جانتے ہیں۔پردیس میں زندگی گزارنا کوئی آسان بات نہیں ہوتی۔وہاں انسان ان مہاجر پرندوں کی مانند ہی ہوتا ہے۔محبت انسان کو پیدائشی طور پر ودیعت کی گئی ہے۔اس کا سبق ہمیں بچپن سے ہی پڑھایا جاتا ہے خدا سے لے کر انسان سے محبت تک اور جانوروں سے لے کر وطن سے محبت تک۔محبت، نفرت کا معکوس ہے۔جہاں محبت ہو وہاں نفرت و اضطراب کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ ظفر کہتے ہیں:

سکون تجھ سے بچھڑ کے دل کو
نہیں مرے قاتلا نہیں ہے[۳۸]

ظفر اعوان اپنی غزل کے ان اشعار میں بڑی خوبصورتی سے اضطراب کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ رِیت ہے کہ محبتوں میں صلہ نہیں ملتا ہوتا مگر مجھے کسی سے گلہ بھی نہیں ہاں یہ ہے کہ تجھ سے بچھڑنے کے بعد اے میرے قاتلا مجھے سکون نہیں مل رہا۔ میرا دل ہر پل بے چین و بے قرار ہے۔ اس بے چینی کا یہ عالم ہے کہ مجھے یہ دنیا اور اس کی رعنائیاں اچھی نہیں لگتیں۔ اے میرے ہم قدم تو میرے اضطراب کی کیفیت سے آگاہ ہوجائے تو تجھے معلوم ہوجائے کہ یہ کتنا تکلیف دہ عمل ہے۔ کسی کے غم میں جب دل درد سے بھر جاتا ہے تو روح تڑپ اٹھتی ہے۔ ظفر اعوان بھی اپنی زندگی میں تنہائی، وطن سے دوری اور محبت و رغبت نہ ملنے پر مضطرب ہیں اور اپنے دل کی کیفیات کی شعروں کی صورت میں کیا خوب عکاسی کرتے ہیں۔ یہ ان کے بہترین سخن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اس باب میں ظفر اعوان کی شاعری پر مشتمل کتاب ”مہاجر پرندے“ کا موضوعاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔ یہ ان کی شاعری کی دوسری کتاب ہے۔ ”مہاجر پرندے“ عنوان ہی بہت کچھ بیان کر رہا ہے اور پھر ظفر کی اپنے وطن سے یورپ ہجرت کے بارے میں جان کر ایسا لگتا ہے کہ اس کتاب میں صرف اور صرف ترکِ وطن کے متعلق ہی شاعری ہوگی لیکن جب اس کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس میں موجود اشعار میں زندگی کی ساری جہتیں اندھیروں اور اجالوں سمیت نظر آتی ہیں۔ فکرِ معاش میں جو شعراء وطن سے کوسوں دور بیٹھے اپنی تخلیقات تراشتے ہیں ان کی تحریروں سے نئے ماحول، وطن سے دوری کا دکھ اور ان جیسے بے شمار مسائل کا ذکر ملتا ہے۔ وطن سے ہجرت کے بدلے میں جہاں معاشی آسودگی ملتی ہے

وہیں وطن سے بچھڑنے کا دکھ انہیں اداس رکھتا ہے اور یہ اداسی ان کے اشعار میں واضح نظر آتی ہے جیسا کہ ظفر کی شاعری میں بھی اس موضوع کا اظہار واضح ملتا ہے۔

ظفر کو اپنے والدین اور باقی رشتوں سے بے پناہ محبت ہے اسی محبت کے پیشِ نظر انہوں نے اس کتاب کا انتساب اپنی والدہ کے نام کیا اور ان کی عظمت کے اعتراف میں پوری غزل بھی لکھی۔ ظفر اپنے تخیل اور ذہن کو بلند پرواز رکھتے ہیں۔ ہر شاعر کا اپنا ایک مخصوص انداز ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ لوگوں کو ایک خاص سوچ اور فلسفہ عطا کرتا ہے۔ ظفر اعوان کی شاعری قدیم وجدید کا حسین امتزاج ہے اور حقیقت پسندی کا عنصر بہت واضح ہے۔ وہ جو بات محسوس کرتے ہیں برملا کہہ دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنے شعری مجموعے میں نہایت خوبصورتی اور دلکشی سے حقیقی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کا تذکرہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنے اشعار میں ترقی یافتہ مما لک میں بسر کی جانے والی مشینی زندگی کا حوالہ دیا ہے۔ وہ وطن سے دور ہیں اس لیے انہیں جب وطن کی یاد ستاتی ہے تو ان کا دل تڑپتا ہے اور وہ اسے مہاجر پرندے سے تشبیہ دیتے ہوئے بہت خوبصورتی سے اشعار کہتے ہیں۔ اس شعری مجموعے میں انہوں نے نعت، تصوف، زندگی کی بے ثباتی، ہجر و وصال، سفر، معاشرتی مسائل کی عکاسی، سیاست اور وطن سے محبت جیسے موضوعات کو بڑی خوبصورتی سے برتا ہے۔ اور وہ محبت، عشق، خواب، آنسو، بے حسی، منافقت، یادیں، اداسی، بے حسی، ساون اور اضطراب جیسے موضوعات کو زیرِ بحث لائے ہیں۔ ان کی شاعری وسیع مطالعہ کے ساتھ گہری فنی ریاضت کی عکاسی کرتی ہے۔ وہ شاعری کے معائن ومحاسب سے بخوبی آگاہ ہیں۔ وہ اپنی شاعری کے ذریعے اس کرب والم کا اظہار کرتے ہیں جو وہ دیارِ غیر میں محسوس کرتے ہیں۔ وہ بے حسی اور معاشرے میں ہونے والی ناانصافیوں سے خائف ہیں اور اس

پر قلم اٹھاتے ہیں۔انہوں نے ہمارے ملک کے سیاستدانوں اور سیاسی حالات کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔وہ دوسروں کے دکھ درد کو محسوس کرنے والے ہیں اور اسے اپنی شاعری کے موتیوں کی لڑی میں بڑی نفاست سے پرو دیتے ہیں کہ ہر پڑھنے والی آنکھ اور سننے والا کان یہ سمجھتا ہے کہ یہ اسی کا دکھ بیان کیا جا رہا ہے۔

حقیقت میں ایسی شاعری کسی بھی شاعر کے لیے باعثِ افتخار اور زندگی کا سرمایہ ہوتی ہے۔اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ وہ اس عہد کی توانا آواز اور مستحکم لہجے کے مالک ہیں۔ان کی شاعری کے بارے میں عوامی ردِ عمل بڑا خوشگوار رہا۔یورپ اور پاکستان میں باذوق قارئین نے ان کے کلام کو بہت سراہا ہے۔زیرِ نظر کتاب کی غزلیں سادہ، دلکش، مؤثر اور دلپذیر ہیں۔وہ بیشتر شاعری کی قدیم روایات سے وابستہ ہیں لیکن ان کے ہاں لہجہ جدید ہے۔ان کے اظہار میں سلیقہ، زبان و بیاں کی شائستگی، اظہار و ابلاغ کی خوبصورتی اور انداز و اسلوب میں فنی نزاکتوں کو نبھانے کا پورا شعوری عمل دخل ہے۔ظفر اعوان جواں عمر شاعر ہے وہ نقل مکانی کے بعد مہاجر پرندوں میں شامل ہو گیا ہے لیکن ان پرندوں کا قیام اور پڑاؤ مختصر نہیں بلکہ طویل المدت ہے۔اس ہجرت نے اسے جن مسائل اور دکھوں سے گزارا اس کتاب میں اس نے شاعری کے ذریعے اس کا اظہارِ خیال کیا ہے۔اپنے وطن سے دوری ،انسانی آرزوئیں ،خوشیاں ،غم اپنی ذات کا حصہ بنانے اور ان کے اظہار کی طرف توجہ مبذول کرواتی ہے۔کسی بھی فن پارے کے معتبر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں احساس، حقیقت اور مقصدیت موجود ہوں اور یہ تینوں چیزیں ظفر کے کلام میں موجود ہیں۔ ان کے ہر ایک شعر میں عصرِ حاضر کی کربنا کیوں کا عکس جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ان کی غزلیں جدید ادب میں تازہ ہوا کا جھونکا ثابت ہوں گی۔ان کے کلام میں حسن چاشنی اور جاذبیت

ان کے وسیع مطالعہ، گہرے مشاہدے اور تجربے کی مرہونِ منت ہے۔

ظفر اعوان یورپ کے مقبول شاعر ہیں۔ادبی تنظیم" بیلی" کے موجودہ صدر کی حیثیت سے بیرونِ ملک بھی اپنے فن کا سکہ جما رہے ہیں۔اس نقل مکانی نے انہیں معاشی آسودگی ضرور مہیا کی لیکن عزیز و اقارب اور وطن سے بچھڑ جانے کا احساس انہیں اداس رکھتا ہے اور ان کے اشعار میں بھی اس موضوع پر واضح اظہارِ خیال ملتا ہے۔شخصیت کے لحاظ سے ظفر اعوان سچے، محبت کرنے والے، حساس، سیدھے سادے، ملن سار اور فنکاروں کے قدردان انسان ہیں۔ظفر اعوان نے اپنی الگ راہ پر چل کر اپنی منفرد پہچان بنائی ہے اور ان کی اس کاوش کو علمی و ادبی حلقوں میں بہت سراہا جا رہا ہے۔انہوں نے محنت کی کنجی سے اپنی ہر غزل میں ایک نئے باب کو کھول کر قارئین کو محوِ حیرت کر دیا ہے۔

حوالہ جات

1-شمیم احمد، اردو شاعری کا فن ارتقاز، ڈاکٹر فرحان فتح پوری، زاہد پرنٹرز، لاہور، 1977ء، ص74
2-شبلی نعمانی، علامہ، شعر العجم، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، 2010ء، ص37
3-جمشید مسرور، مہاجر پرندے، حاجی منیر پرنٹرز، لاہور، 2019ء، ص18
4-ریاض مجید، ڈاکٹر، اردو میں نعت گوئی، اقبال اکادمی، پاکستان، 1990ء، ص19
5-ظفر اعوان، مہاجر پرندے، حاجی منیر پرنٹرز، لاہور2019ء، ص40
6-علی بن عثمان ہجویری، شیخ، کشف المحجوب، تصحیح وتشبیہ علی قویم، لاہور، 1978ء، ص32
7-ظفر اعوان، مہاجر پرندے، حاجی منیر پرنٹرز، لاہور2019ء، ص71
8-ایضاً، ص67
9-ایضاً، ص68
10-ایضاً، ص63
11-ایضاً، ص62
12-ایضاً، ص58
13-ایضاً، ص119
14-ایضاً، ص120
15-ایضاً، ص64
16-ایضاً، ص127
17-میثم علی آغا، مہاجر پرندے، میلان اٹلی، مئی2019ء، ص30
18-ظفر اعوان، مہاجر پرندے، حاجی منیر پرنٹرز، لاہور2019ء، ص151
19-ایضاً، ص117
20-ایضاً، ص99
21-ایضاً، ص73

22-ایضاً،ص42
23-ایضاً،ص45
24-ایضاً،ص110
25-ایضاً،ص112
26-ایضاً،ص110
27-نجم الغنی نجمی، بحر الفصاحت، اقبال اکادمی، لکھنو، 1917ء، ص669
28-ظفر اعوان، مہاجر پرندے، حاجی منیر پرنٹرز، لاہور 2019ء، ص151
29-ایضاً،ص89
30-ایضاً،ص58
31-ایضاً،ص48
32-ایضاً،ص56
33-یوسف حسین خاں، ڈاکٹر، اردو غزل، زاہد بشیر پرنٹرز، اردو بازار، لاہور، طبع اول، 1953ء، ص82
34-ظفر اعوان، مہاجر پرندے، حاجی منیر پرنٹرز، لاہور 2019ء، ص82
35-ایضاً،ص109
36-ایضاً،ص72
37-ایضاً،ص16
38-ایضاً،ص76

''دھیمی اذانیں'' کا موضوعاتی مطالعہ

تعارف:

اذان اس صدا کا نام ہے جس کو سنتے ہی انسان پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لیے بلاوا ہوتا ہے جو انسانوں کے ذریعے سے ہی انسانوں کو بھیجا جاتا ہے۔ بلانے والے انسان (مؤذن) ہوتے ہیں لیکن بلاوا اللہ پاک کا ہوتا ہے۔ انسان کے کانوں میں جیسے ہی اذان کی آواز پڑتی ہے تو اس پر یہ واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی تمام تر مصروفیات کو ترک کر دے اور فریضۂ الٰہی کو اپنے عمل میں لائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نافرمان بندوں پر خاص کرم ہے کہ وہ خود ان کو اپنی بارگاہ میں حاضری کا موقع فراہم کرتا ہے اور خود بلاوا بھیجتا ہے۔ ہم لوگ بڑے بڑے عہدے داروں کو ملنے کے لیے اور ان کا تھوڑا سا وقت حاصل کرنے کے لیے کئیں جتن کرتے ہیں لیکن بادشاہوں کا بادشاہ اور شہنشاہوں کا شہنشاہ جو خود ہم جیسے حقیروں، فقیروں کو بلاوا بھیجتا ہے اور بلاتا ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم اسے سنتے ہی فوراً بلا تاخیر اٹھ کھڑے ہوں۔

اگر اس محبت بھرے بلاوے کو سن کر بھی انسان ردِّ عمل کے لیے فوراً تیار نہ ہو تو وہ سخت گناہ گاری کا مرتکب ٹھہرتا ہے، جو نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی تباہی کا باعث بنتی ہے۔ ابلیس خدا کا انتہائی پرہیزگار اور فرمانبردار تھا لیکن ایک حکم کی نافرمانی، ایک سجدے سے غفلت اور ایک ہی ردِّ عمل کی کوتاہی نے اسے مردود بنا دیا۔ یہ واقعہ ہمارے لیے سبق تھا لیکن افسوس کہ ہم نے اس سے کچھ نہ سیکھا۔

اذان سے مراد صدا ہے، پکار ہے۔ یہ پکار انسانوں کی بھی ہو سکتی ہے جو ظلم و ستم کی چکی

میں پس رہے ہوں- ان کو سننا، ان پر کان دھرنا اور ان کے لیے فوری ردِّ عمل کے لیے اٹھ کھڑے ہونا اسی طرح واجب ہے جس طرح کہ دوسری اذان پر خواہ ان کی اذانیں دھیمی آواز میں ہی ہوں۔ ظفر اعوان نے اپنے چھٹے شعری مجموعہ کلام کو ”دھیمی اذانیں“ کا نام دیا تو اس کے پیچھے ان کی یہ سوچ تھی کہ اذان کی آواز دھیمی اسی صورت ہو سکتی ہے جب اذان دینے والے کے گلے پر ظلم وستم کا پھندا ہو، اسے ناانصافی اور لاقانونیت کی تلوار لٹکتی دکھائی دے رہی ہو۔

ظفر اعوان چونکہ خود عرصہ دراز سے یورپ میں (کوپن ہیگین ڈنمارک) میں مقیم ہیں اور وہاں مہاجروں، اقلیتوں کو بے سروسامانی کی حالت میں زندگی گزارتے بہت قریب سے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں تو اسی لیے انہوں نے اپنی اس کتاب کا عنوان ”دھیمی اذانیں“ رکھا اور اس کا انتساب انہوں نے دنیا بھر میں موجود اقلیتوں، مغلوبوں، مہاجروں اور مستضعفوں کے نام لکھا۔

ہمارے جیسے غریب ترقی پذیر ممالک سے لوگ بڑے شوق سے یورپ جیسے ترقی یافتہ ممالک کا رخ کرتے ہیں کہ وہ بھی وہاں جا کر ترقی کریں گے، ان کے بھی حالات بدل جائیں گے اور ان کے ذریعے ان کے باقی گھر والوں کے بھی، لیکن وہاں جا کر جب حقائق سامنے آتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان فلاحی ریاستوں میں مہاجرین اور اقلیتیں مظلومیت سے بھری زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ظفر اعوان نے خود بھی یہ دکھ سہے ہیں اسی لیے ان کے کلام میں آج بھی ان دکھوں کا رنگ واضح نظر آتا ہے۔ ان کی شاعری میں جا بجا وطن سے دوری کی مشکلات، جدائی کی تکلیفوں اور دیارِ غیر میں بطور اقلیت مقیم ہونے کی تکلیف کے احساس سے لبریز دکھائی دیتی ہے۔ ظفر کی طرح ہزاروں اور لوگ بھی پردیس میں بیٹھے

معاشی جلاوطنی کی سزا جھیل رہے ہیں۔ظفر نے ان کے دکھوں اور ان کی صداؤں کو سن کر بھلا نہیں دیا بلکہ ان کے اور اپنے جذبات کو ملا کر اشعار کی کڑی میں بڑی احتیاط سے پرویا ہے۔اس طرح ظفر نے ان مظلوموں کی حمایت کا فرض اپنے اشعار کی صورت میں ان کی آواز بن کر پوری طرح نبھایا ہے۔یہ آواز انہوں نے آنے والی نسلوں کے لیے اس لیے بلند کی ہے کہ انہیں اپنا وطن نہ چھوڑنا پڑے اور ان پر ہجر کے پہاڑ نہ توڑے جائیں-ایک بار ظفر نے اپنے دکھ کا اظہار اپنے دوست نقاش بلوچ کے ساتھ یوں کیا:

> ''نقاش ویرے اللہ دی قسمے اگر مینوں پاکستان وچ پچاس ہزار روپے ماہوار تک دی نوکری مل جاندی تے میں کدی وی اپنا دیس چھڈ کے یورپ نہ آوندا۔اے''

ظفر کے ان الفاظ میں اتنا کرب چھپا ہوا ہے کہ پڑھنے والے کا دل گھنٹوں بے چین رہتا۔معاشی دباؤ کے پیشِ نظر نوجوان اپنے گھر بار کا سکھ چھوڑ کر غیر وطن کے دھکے کھانے کے لیے نکل جاتے ہیں۔ان پڑھ تو ایک طرف پڑھے لکھے نوجوان بھی ڈگریاں ہاتھوں میں لیے سڑکوں کی خاک چھانتے نظر آتے ہیں لیکن دور دور تک ان کے لیے روزگار کے مواقع نہیں ملتے۔اس بات کی زندہ شاہد مثال ظفر اعوان خود ہیں کیوں کہ وہ سویڈن کی بی ٹی ایچ یونیورسٹی سے ایم ایس سی انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کیے ہوئے تھے۔لیکن انہیں اپنے وطن میں پچاس ہزار روپے پر بھی نوکری نہ مل سکی۔اس لیے اپنے وطن کے لیے دل میں بے پناہ محبت ہونے کے باوجود بھی فکرِ معاش نے انہیں جان سے پیارے رشتوں اور جگر کے ٹکڑے جیسے وطن سے دور جانے پر مجبور کر دیا۔

'ان کو اپنے ملک کی سرزمین سے، یہاں کے لوگوں سے، تہذیب اور روایات سے

بے پناہ محبت ہے۔ تلاشِ روزگار نے انہیں یورپ دھکیل دیا لیکن ان کی روح ان کے دیس اور ان کے اپنوں میں ہی اٹک کر رہ گئی۔ اس طرح انہیں اپنا وجود دو ٹکڑوں میں بٹا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

پرائے دیس میں مہاجر اور اقلیت کے القابات سے پکارے جانا اور اپنے مذہبی تہواروں کو خاموشی سے گزار دینا کس قدر اذیت ناک ہوتا ہے یہ پردیسی ہی جان سکتے ہیں۔ اپنے دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے آزادی کو ترسنا اور گھروں میں اذانوں کے الارم لگانا، یہ سب بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اس تکلیف کو صرف مہاجر، محکوم، مغلوب اور اقلیت جیسے القابات سے پکارے جانے والے لوگ ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ اسی درد و کرب اور مظلوموں کی آہ کو ظفر نے اپنے شعر میں یوں بیان کیا ہے:

کرتے ہیں ہم ذکر رب کا ہونٹ اپنے میچ کر
کھولتے ہیں اب زباں دھیمی اذانوں کے لیے [۲]

غیر مسلم ممالک میں مسلمان بھی تو اقلیت ہی ہوتے ہیں۔ کہاں ایک آزاد مسلمان ریاست میں اذانوں کی گونج، مسجدوں میں رونق اور نمازیوں کا ہجوم اور کہاں غیر مسلم ملک میں عید جیسا تہوار بھی گھر بیٹھے گزر جاتا ہے۔ اپنے تمام مذہبی فرائض بغیر آزادی کے چھپتے چھپاتے ادا کرنے پڑتے ہیں۔ کھلے عام دین کا پرچار کرنا تو درکنار، لاؤڈ سپیکر میں اذان اور خطبہ بھی دینے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ایک گھر میں عید کا تہوار ہوتا ہے اور ہمسائے گھر کو خبر تک نہیں ہوتی۔ گھر میں ادا کی گئی ان مذہبی رسومات کو بھی ظفر دھیمی اذانوں کا نام دیتے ہیں۔

توحید پرستی:

مسلمان ہونے کے ناطے ہم سب کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کے اور اس

کائنات کے خالق و مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں صفات میں اور اپنی ہر چیز میں واحد ہے، یکتا ہے، اس کا کوئی ہمسر نہیں اور نہ ہی کوئی ثانی ہے۔ تمام شعراء اپنی شاعری کے ذریعے بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنا نذرانہ عقیدت ومحبت شاعری (حمد) کی صورت میں کرتے رہتے ہیں۔ ظفر کی پرورش بھی بہت مذہبی ماحول میں ہوئی۔ دادا سے لے کر ماں باپ تک اور اپنے تمام بڑے بہن بھائیوں کو انہوں نے ہمیشہ دینِ اسلام کی اقدار پر چلتے دیکھا۔ اس کے علاوہ ظفر فطرتاً ایک شریف النفس انسان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص لگاؤ ایک خاص رشتہ ناطہ اپنے دل میں بنائے ہوئے ہیں۔ ان کے تقریباً تمام مجموعہ کلام کا آغاز حمدیہ کلام سے ہی ہوتا ہے۔

وہ اپنے خوبصورت الفاظ، عاجزی کے جذبات کو نہایت سجا سنوار کر، نہایت سلیقے سے اشعار کی لڑی میں پرو کر حمد کی صورت میں ڈھالنے کا ہنر رکھتے ہیں۔ بیرونِ ملک میں رہ کر غیر مذہب کے لوگوں کو اللہ پاک کے علاوہ دوسری چیزوں کی پرستش کرتے دیکھ کر ظفر کا دل بہت کڑھتا ہے۔ وہ اپنی آنے والی نسلوں کو اس عذاب سے بچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔ وہ اپنے اشعار کے ذریعے اور ہر فورم پر اپنے محدود وسائل میں اللہ کی حمد وثنا بیان کرتے اور خدائے یکتا کی وحدانیت کا پرچار کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں پر، اس کے فیصلوں پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ ان کا پکا ایمان ہے کہ اللہ پاک نے جو فیصلہ میرے لیے فرما دیا ہے اس میں میرے لیے لازماً کوئی نہ کوئی بہتری و بھلائی پوشیدہ ہے جلد یا بدیر اس سے مجھے فائدہ ضرور پہنچے گا۔ چاہے میں اپنی محدود عقل و سمجھ سے اس کو سمجھ سکوں یا نہیں۔ اسی سلسلہ میں ظفر کے مجموعہ کلام ''دھیمی اذانیں'' سے ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

رب کے احکام سے مکرنا ظفر
دین و دنیا سے سرکشی ہو گی۳۰

اللہ تعالیٰ کے احکامات میں انسانوں کی بہتری چھپی ہوتی ہے۔ان پر عمل کرنے سے پھر کامیابیوں کے راستے کھلتے ہیں،ان سے ہم ناآشنا ہوتے ہیں۔لیکن جو اللہ کے بندے ہوتے ہیں، جو اللہ کی مانتے ہیں وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ کے احکامات کی پیروی میں ہی ہماری بھلائی ہے اور اسی میں ہماری زندگیوں کی ترقی کے راز پوشیدہ ہیں۔ جو اللہ والے ہوتے ہیں وہ اللہ کو بھی مانتے ہیں اور اللہ کی بھی مانتے ہیں۔ظفر بھی اللہ والے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کو واحد و یکتا بھی مانتے ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کے احکامات سے انکار کیا تو نہ ہماری دنیا اور آخرت دونوں ہی خراب ہیں۔اللہ پاک کے احکامات سے روگردانی کرنے والا دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہو کر رہ جاتا ہے۔ذلت و رسوائی اس کا مقدر بنتی ہے۔اس کا شمار اللہ پاک اپنے سرکش اور نافرمان بندوں میں کر لیتے ہیں اور سرکشوں کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے سخت عذاب تیار کر رکھے ہیں۔اس طرح دنیا میں بھی ناکامی ہاتھ آتی ہے اور آخرت کے عذاب کے دروازے بھی نافرمانوں کے لیے کھول دیے جاتے ہیں۔لہٰذا ظفر اپنے آپ کو اور اپنی نسلوں کو اپنے اشعار میں یہ درس دیتے ہیں کہ حکمِ الٰہی کی پیروی کرنا ،ان کی اطاعت و بندگی کرنا ہی ہماری زندگی کا مقصد اور اولین ترجیح ہونی چاہیے۔اللہ تعالیٰ کے احکامات سے منکر ہو کر انسان خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی تباہی کے انتظامات اپنے لیے اور اپنے پیاروں کے لیے تیار کر لیتا ہے۔

ظفر اعوان کا تعلق ایک سلجھے ہوئے مذہبی گھرانے سے ہے۔اس لیے ظفر کی شاعری میں مذہبی رجحان بہت زیادہ دیکھنے کو ملتا ہے۔وہ اللہ تعالیٰ اور انسان کے تعلق کو اس قدر

مضبوط و مربوط دیکھتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ بغیر کسی واسطے کے یہ تعلق ہمیشہ استوار رہ سکتا ہے۔اسی بات کا بیان ظفر اپنے ایک شعر میں اس طرح کرتے ہیں:

عشق میں شرک کا وجود نہیں
وسط میں واسطے نہیں ہوتے [۴]

اللہ تعالیٰ سے محبت وعشق کا یہ تقاضا ہے کہ اسے اور اس کے تمام احکامات کو مکمل دل سے تسلیم کیا جائے۔ہر حکم پہ سرِ تسلیم خم کیا جائے۔یہی عشق کا ثبوت ہے کہ ہر ادا سے، ہر عمل سے عاجزی نظر آئے۔اس میں کسی تیسرے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔اللہ تعالیٰ کو اور اس کی ذات کو یکتا و واحد دل سے تسلیم کر لیں تو پھر ساری زندگی کسی بھی موقع پر کسی بھی مشکل میں کسی اور کو اس کے منصب کے شریک نہ ہونے دیں۔لیکن ہم عام لوگ ذرا ذرا سی مشکلات پڑنے پر پیروں، فقیروں، عاملوں اور درگاہوں کا رخ کر لیتے ہیں اور ایمان کی کمزوری اس حد تک ہو جاتی ہے کہ ہم یہ سوچنے لگتے ہیں کہ من کی مرادیں ہمیں یہیں سے، انہی کے دروں سے ملیں گی۔انہیں مشکل کشا کے القابات سے نوازنے لگتے ہیں جو کہ انتہائی غلط رویہ ہے۔ ظفر اپنے اشعار کے ذریعے ایسے رویّوں کی نفی کرتے ہیں۔وہ لوگوں کو احساس دلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس عشق کے لائق ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔اس کو وحدہٗ لاشریک مانا جائے اور بندے اور خدا کے درمیان کوئی نہ ہو۔اس طرح خلق و خالق کا رشتہ مضبوط بندھن میں بندھ جانا چاہیے نہ کے درمیان میں واسطے وسیلے حائل کر لیے جائیں۔اسی بات کا ذکر ظفر نے اپنے اس شعر میں بھی کیا ہے کہ وسط میں یعنی بندے اور خدا کے درمیان پھر کوئی واسطہ کوئی درمیانی چیز نہیں ہونی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ اذان، تہجد اور قرآن کے ذریعے اپنے بندے کو بلاتا ہے کہ آ میرے

بندے میرے پاس آ، مجھ سے مانگ اپنی حاجتیں، اپنی ضرورتیں۔ تیری ضرویات کو میں ہی پورا کروں گا۔ یہ صرف اور صرف اللہ پاک کی ہستی ہے اور اس کا ہی یہ حق ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے اور اس واحد و یکتا کی دل سے اور اپنے عمل سے واحدانیت کا اقرار کیا جائے۔ اللہ پاک ہم سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن جب ہم اس کی ذات کے ساتھ کسی فانی شے کو لا کر شریک کر دیتے ہیں تو یہ بات اللہ کے غیض و غضب کو دعوت دیتی ہے کیوں کہ اللہ پاک بھی پھر شرک کرنے والوں کو معاف نہ کرنے کا اعلان فرما چکے ہیں۔ خود کو اللہ کی رحمت سے بے دخل کروا کے مشرک انسان اپنی ہی جان پر ظلم کرتے ہیں۔ ظفر اپنے معاشرے کے بے راہ روی اور اپنی نسل کو یورپ جیسے ممالک میں جب اپنی اسلامی اقدار سے دور ہو بھٹکتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کا دل بہت دکھتا ہے۔ وہ گہرے غم میں مبتلا ہو کر قلم اٹھاتے ہیں تو پھر اللہ پاک کی حمد و ثنا اور واحدانیت کے بارے میں اپنے اشعار کی مالا پروتے ہیں کہ شاید یہ نوجوان اسی شاعری کے ذریعے ہدایت پکڑیں۔ شاید کہ کوئی لفظ ایسا اثر انداز ہو کہ کسی کی زندگی کے بدلاؤ کا باعث بنے۔ دیارِ غیر میں بیٹھے، مغلوب و مظلوم ہوئے وہ ایسی ہی دھیمی اذانیں دے سکتے ہیں کہ ان کی نسل کے نوجوان ہوش کے ناخن لے اور اپنے رب کو پہچانے اور اس کی طرف لوٹ جائے اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے اور اس کے سامنے حاضری کا وقت آن پہنچے!

عشقِ مصطفیٰ ﷺ:

ہر مسلمان کے دل میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد مسلمان اگر کسی ہستی کی محبت و عقیدت اپنے دل میں ایمان کی طرح بسائے ہوئے ہیں تو وہ ذات ہے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ۔ نبی کریم ﷺ سے محبت ہمارے

ایمان کا حصہ ہے۔ مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں اور نبی کریم ﷺ سے بھی محبت و اطاعت کا اظہار اپنی زبان کے ساتھ ساتھ اپنے عمل سے بھی کریں۔ اللہ تعالیٰ تک رسائی نبی ﷺ کے طریقوں پر عمل کر کے ہی ممکن ہوسکتی ہے۔ ظفر بھی ایک سچے مسلمان کی طرح عشقِ رسول ﷺ سے سرشار ہیں۔ وہ اپنی والہانہ محبت کا اظہار اپنے اعمال کے ساتھ ساتھ اپنے اشعار کے ذریعے بھی جا بجا کرتے ہیں۔ نہایت ادب سے نہایت احتیاط سے کام لیتے ہوئے شاعر نعت کہنے کی ہمّت کرتے ہیں کیوں کہ ذرا سی چوک، ذرا سی لغزش اس معاملے میں بہت مہنگی پڑ سکتی ہے۔ انسان دائرہ اسلام سے خارج بھی ہوسکتا ہے کیوں کہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی کوئی عام نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کے محبوب، انبیاء کے سردار، سرورِ کونین ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کے بارے میں کچھ بھی لکھنے سے قبل نہایت سوچ سمجھ کر قلم اٹھایا جاتا ہے۔ شاعر کس قدر بھی اپنے فن کا ماہر کیوں نہ ہو لیکن رسالتِ مآب ﷺ کے ادب کا لحاظ ہر وقت رکھنا پڑتا ہے اور احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ ظفر نے بھی عشقِ رسول ﷺ میں ڈوب کر کئی بار اپنے الفاظ کو عشق کی سیاہی میں ڈبو کر نعت گوئی کا شرف حاصل کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ذات بے مثال ہے۔ آپ ﷺ کے کمالات و اوصاف کے موضوعات کی وسعت کو کوئی بھی نہیں پا سکتا۔ لیکن عشقِ مصطفیٰ ﷺ میں ڈوب کر شعراء اپنی اوقات کے مطابق نعت کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کی دید کا شوق تو ہر مسلمان رکھتا ہے لیکن کچھ عاشق ایسے بھی ہیں جو کہ صرف دید کے ہی نہیں بلکہ نبی کریمؐ کی زندگی کے ہر پہلو، ہر عمل اور ہر سنت کے شیدائی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ظفر اپنی کتاب ''دھیمی اذانیں'' میں ایک شعر کہتے ہیں:

میرا مقصد نہیں ہے دید فقط
میرا ہر ایک مدعا ہیں آپؐ [۵]

ظفر نبی کریم ﷺ کی دید کے منتظر تو ہیں ہی لیکن وہ کہتے ہیں کہ میری زندگی کا ہر لمحہ، میری ہر سانس، میرا ہر کام، میری ہر آرزو، ہر تمنّا اور ہر خواہش کا محور صرف آپ ﷺ کی ہی ذات ہے۔ زندگی کے ہر موڑ پر، ہر لمحے، ہر مشکل میں، ہر پریشانی میں، خوشی میں اور غم میں ایک آپ ﷺ کی ہی ذاتِ کاملہ ہے جو کہ میرے لیے اور تمام امّتِ مسلمہ کے لیے کامل نمونۂ عمل ہے۔ ظفر کہنا چاہتے ہیں کہ میں چاہے وہاں نہیں ہوں، میں آپ ﷺ کے در سے بھلے ہی دور ہوں لیکن میں اپنی زندگی میں ہر کام کرنے سے پہلے اگر یہ نیت رکھوں اور یہ سوچوں کہ اس کام میں میرے اللہ اور میرے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا کیا حکم ہے اور اپنے ہر کام کو کرنے میں آپ ﷺ کے بتائے گئے طریقوں کا خیال رکھوں تو مجھے یہ لگتا ہے کہ محبت کا یہ ثبوت سب سے اعلیٰ ہوگا اور ان سب پر عمل پیرا ہونے میں اگر مجھے کامیابی نصیب ہو تو یہ یقینِ کامل بھی ہے کہ دیدار کا انعام بھی مجھ سے دور نہیں رکھا جائے گا۔ نبی کریم ﷺ سے محبت کا یہ اصول ہے اور یہی ثبوت ہے کہ ہم اپنے اعمال میں آپ ﷺ کی سنتوں کو عملی جامہ پہنائیں، آپ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزاریں اور آپ ﷺ کی محبت کا قرض اتارنے کی ہر لحظہ کوشش میں لگے رہیں تو بھی یہ قرض ادا نہ ہو پائے گا۔ کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے جس قدر محبت اپنی امت سے کی ہے کسی اور کی اتنی ہستی کہاں کہ کر سکے یا کوئی ان کی محبت کا حق ادا کر سکے۔ نعت گو شعراء کے نزدیک عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا عقیدت سے بھرپور اور تخلیقی اظہار ان کی شاعرانہ ہنرمندی، کاریگری، ان کے سلیقے، قرینے اور دلکش انداز میں ترجمانی اور عکاسی کرتا ہے۔

ظفر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ذات حق کا پیکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات برحق کے بعد اگر کوئی ہستی اس دنیا میں ہے جو کہ حق کا پیکر ہے تو وہ آپ ﷺ کی ذاتِ مبارک

ہے۔ آپ ﷺ تمام دنیا کے انسانوں کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ پوری دنیا میں امّتِ مسلمہ کے لیے اطاعت کا مرکز و محور آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے بتائے ہوئے راستے اور طریقے ہی ہیں۔ پوری دنیا کے مسلمان آپ ﷺ کی دید کو، آپ ﷺ سے ملاقات کے لیے اپنے اپنے مدار و محور میں تڑپتے دکھائی دیتے ہیں۔ کچھ آپ ﷺ کی جدائی میں ہی تڑپتے تڑپتے اپنی جان گنوا بیٹھتے ہیں اور کچھ خوش قسمت ایسے ہوتے ہیں جن کو دیدار کی دولت نصیب ہوتی ہے اور ان کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات کے معجزات ایسے ہیں جو کہ عام انسانوں کے فہم و ادراک سے بالاتر ہیں لیکن جو عاشق ہوتے ہیں وہ بغیر کسی فہم و ادراک کے بس عشق کی مستی میں گم رہتے ہیں۔ ظفر اعوان کا شمار بھی ایسے ہی سرمست عاشقانِ رسول ﷺ میں ہوتا ہے جو دیّارِ غیر میں غیر مسلموں کے درمیان بیٹھے بھی اپنے پیارے نبی ﷺ کی تعلیمات اور احکامات کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور جا بجا اپنی کتب میں اپنی عقیدت کے پھول نعتوں کی صورت میں نچھاور کرتے نظر آتے ہیں جیسا کہ اپنے ایک شعر میں ظفر کہتے ہیں:

آپؐ ساقی ہیں حوضِ کوثر کے
آپؐ احمد ہیں، مصطفیٰؐ ہیں آپؐ [۶]

نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی نعمتوں، کرامتوں اور اختیارات سے نوازا ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو ہی یہ فیض حاصل ہے کہ قیامت کے روز آپ ﷺ لوگوں کو حوضِ کوثر، جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیدہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہوگا، پانی پلائیں گے۔ اس کی خوشبو کستور سے بڑھ کر اور پیالے ستاروں کی تعداد سے بھی زیادہ ہیں۔ حوضِ کوثر کی لمبائی و چوڑائی کا یہ عالم ہے کہ اس پر ایک

کنارے سے دوسرے کنارے تک سفر کرنے والے کو ایک مہینہ کی مسافت طے کرنی پڑے گی۔ یہ حوضِ کوثر ہمارے نبی کریم ﷺ کو عطا کیا جائے گا جس سے نبی کریم ﷺ اپنے امتیوں کو فیض یاب کریں گے۔ ظفر نے اس شعر میں نبی کریم ﷺ کے اسمائے گرامی کا بھی ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو جگہ جگہ محبت بھرے القابات سے مخاطب کیا۔ کہیں طٰحٰہ، کہیں یٰسین، کہیں امّی، کہیں مبشّر، ہیں نظیر، کہیں احمد، کہیں محمد اور کہیں مصطفیٰ و مجتبیٰ کے ناموں سے پکارا۔ ظفر بھی اپنے والہانہ عشق و محبت کا اظہار کرنے کے لیے ان ناموں کا سہارا لیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حوضِ کوثر سے امّت کو فیض یاب کرنے کا شرف بھی اللہ پاک نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو ہی بخشا ہے۔ آپ ﷺ ہی اس حوض کے ساقی ہیں۔ آپ ﷺ اللہ کے محبوب ہیں، محمد و احمد کے ناموں سے اللہ پاک نے آپ ﷺ کو قرآنِ کریم میں جگہ جگہ مخاطب کیا۔ آپ ﷺ اس کائنات کی جان، سب کے دلوں کی دھڑکن، غریبوں کے والی، فقیروں کے مولا، یتیموں کے آقا اور ہمارے پیارے مصطفیٰ حضرت محمد ﷺ ہیں۔ ہم آپ ﷺ کی مدحت کا حق کبھی ادا نہ کر پائیں گے۔ آپ ﷺ کی ہم جیسے آسیوں سے اتنی نے لوث محبت کے قرض کو کبھی بھی کسی بھی صورت میں نہیں اتار سکیں گے۔

شہرِ اقبال یعنی سیالکوٹ باقی چیزوں کی طرح نعت گوئی کے حوالے سے بھی اپنی خوش قسمتی میں آگے ہے کہ اس کی ہوائیں پہلے علامہ اقبال جیسے عظیم شاعر اور نعت نگار کی خوشبو سے مہکتی رہیں۔ ریاض حسین چودھری (صدارتی ایوارڈ یافتہ)، حافظ حسان المصطفیٰ، وسیم جوتش اور تجمل حسین تجمل جیسے مشہور نعت گو شعرا کا تعلق سیالکوٹ سے ہی ہے اور ان کے ساتھ ساتھ ظفر اعوان کا شمار بھی سیالکوٹ کے مشہور و معروف نعت گو شعرا اور عشقانِ

رسول ﷺ میں ہوتا ہے۔

عشقِ اہل بیت:

ظفر اعوان کو صرف نبی کریم ﷺ سے ہی والہانہ محبت نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کی آل واولاد سے بھی بے پناہ عشق ہے۔ اور اسی محبت کی بنا پر ظفر نے اپنے سارے بچوں کے نام کے ساتھ اپنا نام دینے کی بجائے "علیؑ" کا نام دیا۔ ظفر اعوان کے بچوں کے نام محمد علی اعوان، احمد علی اعوان، اشباہ علی اعوان اور عائزہ علی اعوان ہیں جنہیں دیکھ کر ظفر کی اہلِ بیت سے محبت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ مسلمان ہونے کے ناطے ہر مسلمان پر نبی کریم ﷺ اور اہلِ بیت کی حرمت، ان کا تقدس، ان کی عزت اور ان سے محبت فرض ہے۔ ان کے اعمال، ان کا علم، ان کا کردار ہمارے لیے ہماری زندگیوں میں مکمل مشعلِ راہ ہے۔ ہمارے بنیادی عقائد میں جہاں اللہ پاک کی ذات و صفات اور اس کے ساتھ نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ کاملہ پر ایمان لازم ہے وہیں آپ ﷺ کے صحابہ اور اہلِ بیت سے بھی محبت وتکریم بھی شامل ہے۔ صحابہ کرام کے دور سے لے کر آج تک ساری امتِ مسلمہ اہلِ بیت سے بے پناہ محبت رکھتی ہے۔ اس امت کے بڑے ہوں یا چھوٹے سب ان کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ خود نبی کریم ﷺ کو بھی حضرت حسن وحسین سے بے پناہ محبت تھی۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنے کندھوں پر بٹھایا، سواری اپنی کمر پہ کروائی اور ان کے چہروں کے بوسے لیے۔ صحابہ کرام اہلِ بیت سے محبت کو عبادت کا رتبہ قرار دیا کرتے تھے اور جس طرح عبادت کو اہم سمجھتے اسی طرح نبی کریم ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کے اہل وعیال کی محبت وتکریم کو بھی فرض سمجھ کر ادا کرتے۔

منقبت شاعری کی ایک قسم ہے جس میں شاعر حضرات اپنے اشعار کے ذریعے مشہور و

معروف ہستیوں کی تعریف کرتے ہیں۔ظفر اعوان نے حضرت امام حسین کی شانِ اقدس میں منقبت لکھنے کا اعزاز حاصل کیا۔ یہ بڑے اعزاز کی بات ہے اور بڑی قسمت سے حاصل ہوتا ہے یہ اعزاز کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اہلِ بیت کی شان میں گل ہائے عقیدت لکھ کر پیش کر سکیں۔ظفر نے شعری مجموعی کلام "دھیمی اذانیں" میں حضرت امام حسین کی شان میں جو منقبت انہوں نے کہی اس سے یہ شعر ملاحظہ کریں:

اسلام زندہ ہے تو زندہ حسین بھی ہیں

کربل فقط یزیدی نخوت کا خاتمہ تھا ؂

ظفر کہتے ہیں شہید ہمیشہ زندہ ہوتا ہے اس بات کی زمانت تو خود اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی ہے اور پھر شہید حسین جیسا ہو اور شہادت کربلا کے میدان جیسی ہو تو الفاظ ساتھ نہیں دیتے کہ کن الفاظ میں ان شہیدوں کی عظمت کا اعتراف کیا جائے۔اسی عظمت کا اعتراف ظفر اپنے ان اشعار میں کرتے نظر آتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ جب تلک اسلام کا پرچم سربلند رہے گا حسین کا نام بھی زندہ رہے گا اور رہتی دنیا تک لوگ ان کی عظمت کے گن گاتے رہیں گے۔کربلا کا واقعہ یزید اور اس کی نحوست اور اس کے طرز پر چلنے والے تمام لوگوں کے لیے ایک عبرت کا نشان ہے۔امام حسین اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کے باوجود ان کی عزت و مقام ہمیشہ دنیا میں قائم و دائم رہے گا۔ یزید فتح کے باوجود بھی نیست و نابود ہوا اور لعنت و ملامت کا شکار ہوا۔ساری دنیا اس بات کی شاہد ہے کہ ہر انسان آج تک حضرت امام حسین کی شہادت اور آپ کی جرأت و بہادری کا معترف ہے۔

ظفر کہتے ہیں کہ حق و سچ کی سربلندی کے لیے لڑنے والا کبھی نہیں ہارتا۔جیت ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔باطل کی زندگی اور باطل کی جیت بہت عارضی ہوتی ہے۔یہاں بھی ظفر

حضرت امام حسین اور اہلِ بیت کی قربانیوں کا ذکر کرتے ہیں۔جنہوں نے حق اور سچ اور دینِ اسلام کی سر بلندی کے لیے اپنے سر کٹا دیے۔حضرت امام حسین جو جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں ان کا سر مبارک تن سے جدا کر کے یزید کے دربار میں پیش کیا گیا لیکن پھر بھی یزید فاتح نہ بن سکا فتح پھر بھی حسین کی ہوئی۔آخرت میں بھی فتح امام حسین کی ہو گی اور ہمیشہ حق اور سچ ہی فاتح رہے گا۔واقعہ کربلا کو گزرے ہوئے ہزاروں سال گزر چکے ہیں لیکن آج بھی دنیا میں جہاں بھی حق و باطل آمنے سامنے آتے ہیں تو حضرت حسین کی جرأت و بہادری کو مشعلِ راہ بنا کر بہادری سے حق کا ساتھ دینے کا حوصلہ ملتا ہے۔یہ واقعہ قیامت تک لوگوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

صرف حضرت امام حسین ہی نہیں اہلِ بیت کے باقی سپاہیوں نے بھی کربلا کے دوران نہایت ہی ہمّت و شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے۔حضرت امام حسین نے اپنے بیٹے، بھتیجے، بھائی اور سب رشتے دار اسلام کی سربلندی کی خاطر وار دیے۔دنیا کی تاریخ میں آج تک اس قدر ہمّت و شجاعت اور بہادری کی مثال نہیں ملتی جس کا مظاہرہ اہلِ بیت نے کربلا کے میدان میں کیا۔

ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود آج بھی کربلا کی خاک اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ صدیاں حسین کی ہیں اور زمانہ حسین کا ہے۔ظفر کا کہنا ہے کہ ہم انسانوں خاص طور پر مسلمانوں کی بقا اسی میں ہے کہ ہم بھی کربلا کا راستہ اپنائیں۔یعنی اس واقعہ سے حاصل کردہ سبق کو سیکھیں اور نہ صرف یاد رکھیں بلکہ عملی طور پر بھی اسے اپنی زندگی کا حصّہ بنائیں۔یہی سبق ہمیں صحابہ کرام کی زندگیوں سے ملتا ہے۔انہوں نے ہمیشہ اپنی زندگی میں اہلِ بیت سے بے حد محبت و عقیدت کا اظہار کیا، ان کو اپنی جان و مال اور اہل و عیال کے نذرانے پیش

کیے۔ان کی خدمت میں حاضر ہوتے،ان کا ذکر سن کر بے اختیار رو پڑتے،ان کی تعریف کرتے اور اپنے جاننے والوں میں ان کی عظمت وشان کا بیان کرتے۔

اہلِ بیت وہ ہستیاں ہیں جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاندانی نسبت بھی حاصل ہے اور انہوں نے ساری زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت بھی حاصل کی۔ کامل مسلمان ہونے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ بیت سے محبت ہونا شرط ہے اسی حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالی شان ہے:

> ''کوئی بندہ اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوتا یہاں تک کہ میں اس کو اس کی جان سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں اور میری اولاد اس کو اپنی اولاد سے زیادہ پیاری نہ ہو۔ ۸''

ایمان کامل ہونے کے لیے یہ شرط لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ بیت (آلِ رسول ﷺ) کو مانا جائے ان کی عزت وتکریم کی جائے۔ان کی شان اور رتبے کا ایمان رکھا جائے جو اللہ پاک نے ان کو بخشا ہے۔یہاں تک احکامات آ گئے ہیں کہ اپنی جانوں اور اپنی اولاد سے بڑھ کر ان کو عزیز تر رکھا جائے ایسا اس لیے ہے کہ ہم انسانوں کو ہر دنیاوی چیز سے بڑھ کر ہوتی ہے اپنی جان اور اپنی جان سے بڑھ کر بھی اگر ہم کوئی چیز عزیز تر رکھتے ہیں تو وہ ہوتی ہے اپنی اولاد جس کے لیے والدین اپنی جان تک کی بازی لگانے سے بھی گریز نہیں کرتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آلِ رسول ﷺ کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ ہمیں اس حدیث مبارکہ سے بخوبی ہو جانا چاہیے کہ مسلمان اور کامل مسلمان ہونے کے لیے یہ لازمی شرط عائد ہوتی ہے کہ ہمارے لیے تقدسِ رسول ﷺ اور آپ ﷺ کی سنتیں، آپ ﷺ کے احکامات

،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت اپنی جان سے بھی عزیز تر ہوں اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ بیت اپنی اولادوں سے بڑھ کر عزیز ہوں۔ان کی حرمت،ان کے دین پر، ان کے احکامات پر ہمیں اپنی جان و مال،عزت و اولاد میں سے کسی بھی چیز کی قربانی دینے سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔یہ کہنے میں مجھے کوئی عار نہیں کہ ظفر اعون نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ بیت سے الحمدللہ اتنی ہی محبت کرتے ہیں اور جب بھی واقعہ کربلا کا ذکر ان کے سامنے چھیڑا جاتا ہے تو ان کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ظفر اپنی شاعری کے ذریعے یہ محبت نئی نوجوان نسل کے دل میں جگانے کی اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں۔

اقلیتوں کے دکھ:

اردو زبان میں اقلیت سے مراد وہ قوم وہ لوگ ہیں جو تعداد قلیل ہوں بہت تھوڑے ہوں۔ اقلیت سے مراد عام طور پر وہ لوگ لیے جاتے ہیں جو کسی دوسرے ملک کے باشندے ہوں اور کسی دوسرے ملک میں مقیم ہوں جیسا کہ مسلمان انگریزوں کے ممالک میں۔ یا پھر وہ لوگ جن کا مذہب اکثریت سے ہٹ کر ہو اور وہ تعداد میں بہت کم بھی ہوں۔ ہمارے ملک پاکستان میں میں بہت سی مذہبی اقلیتیں بستی ہیں۔ اسی طرح ہمارے مسلمان بہن، بھائی غیر ملکوں میں معاشی حالات کی خرابی وجہ سے،تعلیم کے حصول کے لیے، ملازمتوں کے حصول کے لیے اور مختلف مقاصد کے لیے مقیم ہیں۔اور وہ وہاں اقلیتوں کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں۔ظفر اعوان بھی انہیں بے چاروں میں شامل ہیں جو اپنا آزاد ملک ہونے کے باوجود یورپ جیسے پرائے ملک میں مقیم ہیں۔ اقلیت ہونے کا سب سے بڑا دکھ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے مذہبی فرائض کو پوری آزادی سے ادا نہیں کر پاتا۔اور نہ ہی تہواروں کو مذہبی جوش و جذبے سے منا سکتا ہے۔حق پر

ہوتے ہوئے بھی خاموشی اختیار کرنا پڑتی ہے۔ بے جا مظالم سہنے کے باوجود کوئی دادرسی کرنے والانہیں ہوتا۔

جو لوگ فکرِ معاش میں اپنا وطن چھوڑ کر دیارِ غیر میں جاتے ہیں وہاں جا نا کر انھیں بہت سے مسائل کا سامنا ہوتا ہے وہاں کے باسی انھیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں جن لوگوں کو مسیحا سمجھ کر ان پر اعتبار کر کے ان سے مدد لینے کے لیے ہاتھ بڑھاتے اور بعد ازاں معلوم ہوتا ہے کہ یہی لوگ دھوکہ باز تھے لیکن چونکہ کے وہ ان کا ملک ہوتا ہے اور ہم وہاں ٹھہرے اقلیت اور مہاجر تو خاموشی سے برداشت کر دینے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں ہوتا۔ یہ دکھ، یہ مصائب اور تکلیفیں صرف وہی لوگ جانتے ہیں جنہوں نے پردیس جھیلا ہو۔ وہاں جانے سے پہلے جو باتیں ان ترقی یافتہ ممالک کے بارے میں میں سنی ہوتی ہیں ان سے نوجوان اکثر ایک نئی دنیا کا تصور کر بیٹھتے ہیں۔ انہیں لگتا ہے وہاں جاتے ہی انہیں آسودگیاں ملنے لگیں گی وہاں روزگار کے مواقعوں کے انبار ہوں گے اور بہت کچھ لیکن اکثر اوقات حقیقت ان خوابوں کے بالکل برعکس نکلتی ہے۔ ایسی ہی کرب ناک حقیقت کا ذکر ظفر اپنے شعر میں کچھ اس طرح کرتے ہیں:

ہم غریبانِ وطن کی قتل گاہیں بن گئیں
بستیاں مشہور تھیں جو خوش جمالوں کے لئے ۹؎

کچھ بدقسمتوں کے لیے تو غیر ممالک (یورپ بالخصوص) جانے کا سفر ہی موت کا سفر بن جاتا ہے وہ غیر قانونی راستوں سے ہوتے ہوئے لالچی اجنبیوں کی حوس کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان میں سے جو چند لوگ منزل پر پہنچ جاتے ہیں تو وہاں پہنچ کر نئے رنگ انہیں دیکھنے کو ملتے ہیں اکثر کو معمولی جرموں کی پاداش میں برسوں کے لیے قید کی نظر کر دیا

جاتا ہے کچھ لوگ جو غیر قانونی طریقوں سے جاتے ہیں ان کا عرصہ دراز چھپتے چھپاتے گزر جاتا ہے اس طرح یہ خوش جمال ممالک جو اپنی ترقیوں کی داستانوں کے لیے معروف ہیں اقلیتوں کے لیے اور مہاجروں کے لیے قتل گاہ بن جاتے ہیں اور جو زندہ رہتے ہیں ان کے لئے بھی یہ قید خانہ سے کم نہیں ہوتا انہوں اپنے ہونٹوں کو سی کر، کانوں کو بند کرکے، زبانوں کو تالے لگا کر اپنا وقت گزارنا پڑتا ہے۔ پوری دنیا میں جہاں جہاں اقلیتیں موجود ہیں اگر کوئی ان سے ان کے دل کا حال پوچھے تو پتہ چلتا ہے کہ سب کا دکھ ہی سانجھا ہے۔ ہر کوئی اپنی روایات، اپنے مذہبی امور، اپنی مذہبی اقدار کو کھل کر منانے کے لیے دل ہی دل میں تڑپتا نظر آتا ہے۔

الحمداللہ ہم اپنی مسلم ریاست میں کھلے عام اپنے تمام مذہبی فرائض نماز، روزہ، جمعہ، اذان، عیدین، شبِ برات اور عید میلادالنبی نیز ہر طرح کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے تہوار پوری آزادی سے مناتے ہیں۔ جبکہ دوسرے ممالک میں تعصّبات، رنگ و نسل کے فرق، رتبے و مرتبے کی اونچ نیچ برداشت کرکے خاموشی سے وقت گزارنا پڑتا ہے۔ گوروں کے ملک میں کالے بیچارے حقارت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ تمام تر صلاحیتیں ہونے کے باوجود بھی انہیں برابر ترقی کے مواقع فراہم نہیں کیے جاتے۔ فقط اس لئے وہ اس ملک میں اقلیت ہوتے ہیں۔ اسی طرح انڈیا جیسی بڑی ریاست میں مسلمان اپنے بنیادی حقوق سے محروم نظر آتے ہیں۔ ظفر نہایت دکھ سے اپنی شاعری کے ذریعے یہ پیغام اپنی نوجوان نسل کو اور اپنے عزیزوں کو دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ بطور اقلیت رہنا بہت محال ہے۔ اپنی انا، اپنی عزت، اپنا وقار، اپنی پہچان سب کچھ گنوا کر پھر ان ترقی یافتہ ممالک میں رہا جاتا ہے اسی رنج کو ظفر نے اپنے شعر میں کچھ یوں بیان کیا ہے:

انا کو پیچ ڈالا ہے
مرے ہونٹوں پہ تالا ہے ۱۰؎

ظفر گہرے دکھ کے ساتھ کہتے ہیں کہ اقلیت بن کے زندگی گزارنا آسان کام نہیں ہوتا اس کے لیے اپنی عزت نفس، اپنی انا کو بالائے طاق رکھنا پڑتا ہے۔ ناانصافیوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اپنے ساتھ اور دوسروں کے ساتھ غلط ہوتا دیکھ کر ہونٹوں پر تالے لگانے پڑتے ہیں۔ ہونٹ سی کر خاموشی سے سب دیکھے کو ان دیکھا کرنا پڑتا ہے۔ اکثریت کا راج ہوتا ہے۔ سب ان کے حمایتی ہوتے ہیں۔ ملک ان کا، حکومت ان کی، قانون ان کے غرض یہ کہ سب کچھ اکثریت کے ہی حق میں ہوتا ہے تو ایسے حالات میں اقلیتوں کے پاس سوائے خاموش رہ کر سر جھکانے کے اور کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ اس خاموشی کا دکھ، اس کی تکلیف کا کرب صرف وہی جان سکتا ہے جو اقلیت ہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، گورا ہو یا کالا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اقلیت کو جب اقلیت کہہ کر بلاتے ہیں تو اس کا دل وہیں چکنا چور ہو جاتا ہے۔ غیر ہونے کا احساس تو اس کو وہیں کھا جاتا ہے۔ اس کے دل میں وسوسے تو وہیں آجاتے ہیں۔ یہ کہنے کو تو ایک لفظ ہے لیکن سہنے والے کی عمر کھا جاتا ہے۔ یہ فقط اقلیت کا ایک لفظ بولنے والوں سے الفاظ کی آزادی چھین لیتا ہے۔

ظفر اعوان نے ان دکھوں کو بہت قریب سے دیکھا اور محسوس کیا ہے اسی لئے انہوں نے اقلیتوں کے ان دکھوں کا چرچہ پورے عالم میں کرنے کے لیے اپنا قلم اٹھایا اور اپنی پوری کتاب کا انتساب ان کے نام کر ڈالا۔ ان کے شعری مجموعے" دھیمی اذانیں" کے بارے میں ان کے دوست اور ادیب شاعر محمد ایوب صابر صاحب یوں رقمطراز ہیں:

''ظفر اعوان کا زیر نظر شعری مجموعہ" دھیمی اذانیں" کے انتساب سے ہی

> اندازہ ہوتا ہے جو انہوں نے مظلوم اور پسے ہوئے طبقات کے نام کیا ہے کہ ان کی مشاہداتی حس بہت اعلی ہے۔ انہوں نے اردگرد پھیلے ہوئے مظلوم طبقات کے دکھوں کو نوک قلم پر لاکر درد کی ترجمانی کی ہے۔ ۱۱ ‘‘

کتاب کا انتساب ہی اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ظفر کو معاشرے کے مظلوم اور محکوم طبقے کا کس قدر احساس ہے۔ یہ ان کے مشاہدے کی اعلی ظرفی ہے کہ وہ معاشرے کے پسے ہوئے، دبے ہوئے طبقے کا بھی بغور جائزہ لیتا ہے اور پھر ان کے جذبات ان کے دکھ اور درد کو بیان کرنے کے لیے اپنا قلم اٹھاتا ہے۔ یورپ جیسے ملک میں مقیم ہو کر جہاں لوگوں کو اپنی ذاتی زندگی کے علاوہ کسی کی زندگی یا موت سے کوئی تعلق کوئی واسطہ اور سروکار نہیں ہوتا ظفر اتنے حساس ہیں کہ اپنے قیمتی وقت سے وقت نکال کر معاشرے پر گہری نظر ڈالتے ہیں اور مختلف غموں اور دکھوں میں پستے ہوئے غم کے ماروں کی آواز بن کر ابھرتے ہیں۔ وہ اپنی ذاتی زندگی سے وقت نکال کر ان پردیسیوں اور اقلیتوں کے دکھ میں شامل ہوتے ہیں، ان کی دادرسی کرتے ہیں اور اپنے اشعار کی شکل میں ان کا حوصلہ بنتے ہیں۔ اپنے اس عمل سے نہ جانے وہ کتنے غم کے ماروں کی دعائیں لیتے ہیں۔

معاشرتی بگاڑ:

معاشرہ لوگوں کے آپس میں مل جل کر رہنے سے بنتا ہے۔ اچھے معاشرے کی سب سے بنیادی چیز اس معاشرے کی اخلاقی اقدار ہوتی ہیں۔ شاعر معاشرے کا سب سے حساس طبقہ ہوتے ہیں۔ وہ کسی بھی قسم کی تبدیلی کو سب سے پہلے محسوس کرتے ہیں۔ ظفر اعوان میں بھی یہ حساسیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ وہ اپنے اردگرد معاشرتی اقدار کو تیزی سے گرتا ہوا دیکھتے ہیں تو ان کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ ہزاروں میل دور بیٹھ کر بھی

ظفر اپنے وطن میں بسنے والوں کی بے کسی اور معاشرتی رویوں کی کجی اور بے ثباتی کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ظفر کی شاعری کے موضوعات نے ادبی حلقوں میں ہلچل مچا دی ہے۔ظفر اعوان ہفت پہلو شاعر ہیں، ان کے اشعار میں معاشرے کے بہت سے مسائل نظر آتے ہیں۔ظفر اپنے معاشرے کی روز بروز بڑھتی ہوئی اخلاقی اقدار کو لے کر بہت پریشان رہتے ہیں اور ہر پل ان کے حل کی تدبیر یہ سوچتے رہتے ہیں وہ اپنے اشعار کے ذریعے اپنے شعری مجموعوں میں ان اخلاقی اقدار کی گراوٹوں کی جا بجا نشاندہی کرتے نظر آتے ہیں۔ان کے لب و لہجے میں کہیں غم تو کہیں غصے کا اظہار نمایاں نظر آتا ہے۔وہ اپنے جذبات کے اظہار کے لئے اپنے قلم کا سہارا لے کر اپنے الفاظ کو شعر کی شکل میں ڈھالتے ہیں۔معاشرے کی اخلاقیات کی تنزلی کو لے کر ظفر اعوان اپنے غم و غصے کا اظہار اس شعر میں کچھ اس طرح کرتے ہیں:

اس شہر کے بڑوں پر کتوں کو چھوڑ دو
لٹتی ہوں جس نگر میں بچوں کی عزتیں ۱۲؎

ظفر کے لہجے میں شدید غم وغصہ پایا جاتا ہے جب وہ معاشرے کی بگڑتی ہوئی اخلاقی اقدار کے بارے میں بات کرتے ہیں۔مغربی معاشرہ تو ایک طرف لیکن اب تو مشرق میں اخلاقیات صرف نام نہاد کی حد تک رہ گئی ہیں۔لوگوں کو اپنی جان، مال اور عزت کے ہر وقت لالے پڑے رہتے ہیں۔اسی خوف اور غصے کے ملے جلے جذبات کا اظہار ظفر اپنے اس شعر میں کرتے نظر آتے ہیں۔ظفر کہتے ہیں کہ ملک کے بڑے، ملک وقوم کے لیڈر و محافظ جن کے ہاتھوں میں تمام شہریوں کے جان و مال اور عزت کی حفاظت ہوتی ہے ہے ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ہر شہری پھر وہ چاہے کوئی امیر ہستی ہو یا غریب انسان

کی جان، مال اور عزت کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھیں۔لیکن ہمارے معاشرے میں اب یہ حالات ہیں کہ جوان لڑکیاں تو ایک طرف چھوٹے نابالغ بچوں کی بھی عزت محفوظ نہیں ہے۔معصوم بچے جو کھیلنے کودنے کی غرض سے کہیں بھی چلے جاتے تھے اب وہ بھی اپنے والدین کے علاوہ کسی اور رشتے کے پاس محفوظ نہیں سمجھے جاتے۔یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ بن چکا ہے کہ ہم کن حالات میں زندگی گزار رہے ہیں اور کن اخلاقی برائیوں کا شکار ہو چکے ہیں۔

ایسے واقعات کو سن کر ظفر غصے میں آگ بگولہ ہو کر اس شعر میں کہتے ہیں کہ جہاں بچوں کی بھی عزت محفوظ نہ ہو وہاں کے عہدیداروں کو کتوں کا نوالا بنا دینا چاہیے یعنی ایسا عبرت کا نشان بنانا چاہیے کہ باقی تمام لوگ ان رشوت ستانی کرنے والوں اور ناانصافی کرنے والوں کا انجام دیکھ کر نصیحت پکڑیں اور ان جرائم میں ملوث افراد کو سخت سے سخت سزائیں دینی چاہیں ایسی سزائیں جنہیں دیکھ کر آئندہ تمام جرم کرنے والے ایسا کام کرنے سے پہلے ہزار بار سوچیں۔

آج کل ہر طرف حرص وحوص کے ڈیرے ہیں۔عزتوں کا محافظ کہیں کوئی نظر نہیں آتا صرف ہر طرف لٹیرے ہی لٹیرے دکھائی دیتے ہیں۔حوا کی بیٹی کو اپنی عصمت بچانے کے لیے بہت زیادہ احتیاط برتینی پڑتی ہے۔یہ سب ہماری اخلاقی اقتدار کی تعلیمات کی کمی کی وجہ سے ہے۔ہم نے اپنی نسل کو اسلام کی روشن تعلیمات سے دور کر دیا اور مغرب کی چکا چوند زندگی کا شوق ان کے دلوں میں بھر دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہماری نسل کے بچے اور نوجوان سب حرص وہوس کا شکار ہیں۔اپنی ناکامیوں اور مایوسیوں کی بھینٹ وہ حوا کی معصوم شہزادیوں کو بناتے نظر آتے ہیں۔معاشرے کی اس حالت کی عکاسی ظفر اپنے شعر میں اس طرح کرتے ہیں:

بیٹیاں حوا کی ہیں بھیڑیوں کے جنگل میں
خون میں نہاتی ہیں شام کی اداسی میں [۱۳۱]

معاشرہ جب اپنی اصل سے دور ہوتا ہے تو بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے۔ کچھ ایسا ہی حال ہمارے معاشرے کا ہوا ہے ہم نے اپنی خوبصورت اسلامی اقدار کو اپنی زندگیوں میں نہیں اپنایا جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ یہ معاشرہ جنگل کی صورت اختیار کر گیا جہاں کوئی قانون کسی پر لاگو نہیں ہوتا۔ حکومت صرف بھیڑیوں کی ہوتی ہے۔ ظفر اس شعر میں ان درندوں کو بھیڑیوں کا نام دیتے ہیں جو لوگوں کی عزتوں کو سرِعام نیلام کر دیتے ہیں۔ ان کی زندگیاں اجاڑ دیتے ہیں اور ویران کر دیتے ہیں۔ ان کے گھروں میں شام کی اداسیوں کے ڈیرے صبح شام رہتے ہیں اور ان حادثات کا شکار بچیوں کا پورا خاندان ہمیشہ خون کے آنسو روتا ہے کیونکہ وہ معاشرے میں پھر دوبارہ کبھی بھی سر اٹھا کر جینے کے قابل نہیں رہتے۔ اس طرح کے کئی خاندان جیتے جی مر جاتے ہیں اور معاشرے میں کوئی ان کا پرسان حال نہیں ہوتا۔ حادثہ بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے اور مجرم بھی وہی لوگ ہوتے ہیں۔ ظفر اپنے معاشرے کی اسلام سے دوری اور نئی نسل کے نوجوانوں کی بے راہ روی پر گہرے دکھ، درد اور پریشانی کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے مغرب میں رہ کر ان کے معاشرے کا زوال دیکھا اور اسی کا عکس جب وہ اپنے اسلامی معاشرے پر دیکھتے ہیں تو ان کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ وہ اپنی بے بسی پر ماتم کناں دکھائی دیتے ہیں کہ کیوں آخر کیوں ہم نے اتنے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی معاشرت کی اقدار اور اس معاشرے کے اصولوں کو فراموش کر دیا اور آج ہم دنیا بھر میں ترقی کا راز ڈھونڈتے ہوئے بھٹکتے پھرتے ہیں۔

ظفر اپنی قوم کو اور اپنے معاشرے کو اپنی شاعری کے ذریعے جگانے کی کوشش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ابھی بھی وقت ہے کہ ہم ہوش کے ناخن لیں اور اپنی اقدار کو اور اپنے اسلاف کی تعلیمات کو پکڑیں، ان پر خود بھی عمل پیرا ہوں اور اپنی نسلوں کو بھی سکھائیں اور ان اقدار کو ان کے عمل کا بھی حصہ بنائیں تا کہ ہمارا معاشرہ خوشگوار، بااخلاق بنے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔ جھوٹ، شراب، زنا، ناانصافی اور ان جیسی دوسری برائیاں تب ہی ہمارے معاشرے سے ختم ہوسکتی ہیں جب ہم پوری طرح اپنے آپ کو اور اپنے اطراف کو اسلام کے مطابق ڈھال لیں۔

مفلسی:

موجودہ دور کا سب سے بڑا المیہ اور دکھ مفلسی ہے موجودہ نظام نے ایک طرف صرف عام انسان کی زندگی کو بہت سی مشکلات سے دوچار کیا ہے تو وہیں اسے اس کی بنیادی ضروریات سے بھی محروم کیا ہے۔ جن نمائندوں کو عوام اپنا مسیحا سمجھ کر ان پر یقین کر کے انہیں ووٹ دیتے ہیں اور اپنے حاکموں کے طور پر منتخب کرتے ہیں ہیں وہ برسر اقتدار آتے ہی ان بیچارے لوگوں سے لاتعلقی اور خودغرضی کا ایسا چکر چلاتے ہیں کہ عوام کا جینا تک محال ہوجاتا ہے۔ موجودہ حالات میں غریب عوام کی فاقہ کشی عروج پر ہے اور امرا کے خزانوں میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے یہ لوگ سادہ لوح غریب لوگوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے ہیں۔ ان کی بے کسی اور مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لوگوں کو اپنا غلام سمجھتے ہیں اور کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں ہوتا سارے قوانین اور ساری سزائیں غریب کے لیے ہوتی ہیں۔ غریب لوگ اپنی غربت، مفلسی اور بے چارگی سے تنگ آ کر اپنی پیاری اولاد کو خود سے دور چند کوڑیوں کے عوض کام کرنے بھیجنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ بچوں سے

ان کا معصوم بچپن چھین جاتا ہے اس مفلسی کا رونا ظفر اپنے اس شعر میں کچھ اس طرح روتے ہیں:

مجبوراً اس پیٹ کی خاطر
ماں نے بچے بیچ دیے ہیں[۱۴]

مفلسی کا روگ وہی جان سکتا ہے جو اس کی چکی میں پستا ہے اس کے خوف کی وجہ سے غرباء کو کس حد تک کھٹن فیصلے کرنے پڑتے ہیں یہ وہی جان سکتے ہیں۔ اولاد تو جانوروں کو بھی بہت عزیز ہوتی ہے پھر ہمارے ہاں جھونپڑیوں میں رہنے والے غریب لوگ اپنے چھوٹے چھوٹے معصوم جگر گوشوں کو کام کرنے کے لیے چند پیسوں کے عوض امرا کی حویلیوں میں سالہا سال کے لیے بھیجتے ہیں۔ مہینوں گزر جاتے ہیں اپنے جان سے سے عزیز دلاروں کی شکل دیکھے ہوئے۔ اس ماں پر روٹی کا نوالا کس قدر گراں گزرتا ہوگا یہ کوئی اس ماں سے ہی پوچھے جس نے پیٹ کی خاطر اپنے دل کے گوشے کو جسے سینے سے لگانے کی عمر تھی، جسے گود میں کھلانے کی عمر تھی، جس کے چہرے پر مسکراہٹیں بکھیرنے کا وقت تھا، اسکے کندھوں پر خاندان کے روزگار کا بوجھ لاد کر اسے چند ہزاروں کے عوض سالوں کے لئے خود سے دور کر دیا اور اب اس جدائی کے بدلے میں یہ نوالہ ہاتھ آیا ہے تو وہ نوالہ ماں کے حلق سے کس طرح اتر سکتا ہے یہ وہی جانتی ہے۔ ظفر اسی دکھ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس پیٹ کی خاطر دو وقت کی روٹی کی خاطر ماں نے اپنے بچے کو بیچ دیا۔ اس طرح اتنے لمبے عرصے کے لیے اپنا بچہ کسی کی دسترس میں دے دینا بیچنے کے ہی مترادف ہوتا ہے اور ان کی اس مفلسی، اس مجبوری کے ذمہ دار ہوتے ہیں ہمارے معاشرے کے سرمایہ دار لوگ جو اپنے بچوں کو پھولوں کی سیج پر بٹھاتے ہیں اور دوسروں کے بچوں کو اپنی چاکری کے لیے رکھتے

ہیں۔ انہیں اس بات کا احساس تک نہیں ہوتا کہ یہ بھی کسی کے جگر کے گوشے ہیں کسی ماں کا دل ان کے لیے کس قدر تڑپتا ہوگا۔

ہمارا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارے پوش علاقوں میں رہنے والے امیر کبیر سرمایہ داروں کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ ہمارے آس پاس کتنے لوگ غربت کی چکی میں پس رہے ہیں، کس طرح زندگی گزار رہے ہیں اور وہ کن مشکلات و مسائل سے دو چار ہیں۔ دوسروں کے دکھوں کا اور ان کی مشکلات کا احساس بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے جو بہت حساس ہوتے ہیں اور ہر کسی کے لئے درد دل رکھتے ہیں۔ شاعر بھی معاشرے کے انہی لوگوں میں سے ہوتے ہیں جو معاشرے کے ایسے لوگوں کا دکھ اپنے آپ میں محسوس کرتے ہیں اور پھر اس دکھ سے زمانے والوں کو شناسا کرنے کے لیے اپنا قلم اٹھاتے ہیں۔ ظفر اس مفلسی کے کے درد کو بہت اچھے سے محسوس کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کی اپنی بھی آپ بیتی ہے۔ اس ملک کا المیہ یہ بھی ہے کہ یہاں فن کی قدر و قیمت پہچاننے والے لوگ بہت مشکل سے ملتے ہیں۔ اپنے فن کو بیچ کر بھی لوگوں کا گزارا مشکل سے ہوتا ہے کیونکہ فن کی پوری قدر و قیمت کو کوئی نہیں پہچانتا۔ اسی دکھ کو ظفر اپنے شعری مجموعے دھیمی اذانیں میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

پیٹ بھرتا جو شاعری سے ظفر
بھوک آنگن میں بین کیوں کرتی [۱۵]

فنکار کے لیے یہ بڑی بے بسی کی بات ہوتی ہے کہ اسے جب یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کے فن کی اتنی قدر نہیں ہو رہی جتنی ہونی چاہیے۔ ظفر اس شعر میں ایک بے بس شاعر کی مثال دیتے ہیں کہ شاعر اپنی شاعری میں جی جان لگا دیتا ہے۔ معاشرے کی ہر چھوٹی بڑی

خرابیوں کو محسوس کر کے اس کی نشاندہی کرتا ہے لیکن پھر آہستہ آہستہ اسے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ اس فن سے اس کی گزر بسر نہیں ہوگی۔ اسی دکھ کو ظفر اپنے شعر میں بیان کرتے ہیں کہ شاعری سے فن کی تسکین ہوتی ہے بس پیٹ نہیں بھرتا۔ گھر میں جب بھوکے بلکتے بچوں کو دیکھتا ہوں تو لگتا ہے کہ گھر کے آنگن میں ہر طرف صرف بھوک بین کر رہی ہے۔ بھوک اور مفلسی کے ڈیرے ہیں۔ شاعری اتنا اہم فن ہے۔ یہ خداداد صلاحیت ہے شاعر معاشرے کی تمام تبدیلیوں کو بہت زیادہ محسوس کرتے ہیں اور لوگوں کے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں لیکن صد افسوس کہ ان کے فن کو وہ مقام معاشرے میں کبھی نہیں ملتا جن کے وہ حقدار ہوتے ہیں۔ معاشرے کا یہ حساس طبقہ اکثر مفلسی کی دلدل میں پھنسا ہوئے نظر آتا ہے۔ ان کے گھروں کے معاشی حالات بہت تنگ ہوتے ہیں اور وہ اسی مفلسی میں اپنے فن کا بھرم رکھتے ہوئے ساری زندگی گزار دیتے ہیں اور یہ بہت اذیت ناک ہوتا ہے اسی اذیت کو ظفر خود محسوس کر کے اپنے الفاظ کے ذریعے ان کا درد معاشرے کے باقی لوگوں تک پہنچانے کی ہر دم کوشش کر رہے ہیں تا کہ ہمارا معاشرہ ایک دوسرے کے درد کو غم کو اور مشکلات کو سمجھے اور ہمارے اندر ایک دوسرے کے کام آنے کا جذبہ پیدا ہو۔

فرقہ بندی:

پوری دنیا کے مسلمان ایک امت ہیں اور ایک قوم کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو مسلمان پیدا کیا اور ہم سب کے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا۔ ہم اللہ تعالیٰ کو تو واحد و یکتا مانتے ہیں لیکن مسلمانوں کو ایک جیسا مسلمان نہیں مانتے۔ ہم نے مسلمان قوم سے آگے فرقے بنا لیے اور خود کو ان فرقوں کی نذر کر دیا اب ہر فرقہ خود کو صحیح اور سچا مسلمان اور دوسرے کو کافر اور بھٹکا ہوا سمجھتا ہے۔ فرقہ بندی کی بھینٹ چڑھ کر ہم نے ایک دوسرے کی

خوشی، غم، دکھ اور سکھ میں شامل ہونا چھوڑ دیا۔ ہم مسلمان ہو کر دوسرے مسلمان کے جنازے میں صرف اس لیے شامل نہیں ہوتے کہ اس کا مسلک اور ہے اور میرا مسلک اور ہے۔ انہیں فرقہ بندیوں کی وجہ سے ہم آپس میں ہی لڑ کر رہ گئے ہیں۔ دشمنوں کا مقابلہ تو کیا کرنا ہے ہم نے خود کو ہی ایک دوسرے کا دشمن بنا لیا ہے۔ مسلمانوں کی حالت زار کا ذکر ظفر اپنے اس شعر میں کچھ اس طرح کرتے ہیں:

لگا کر ٹیگ ہم پر مسلکوں کا
ہمیں ہم سے لڑایا جا چکا ہے[16]

وہ کہتے ہیں کہ یہ مغرب کی چال ہے کہ ہمیں فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھا کر آپس میں لڑوایا جا رہا ہے۔ ہم اپنے وسائل، اپنی طاقت خود اپنے ہی خلاف اپنے ہی لوگوں پر استعمال کر رہے ہیں۔ آج ہم شیعہ، سنی، بریلوی، دیوبندی جیسے فرقوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ کوئی اللہ کا بندہ ہم میں ایسا نہیں ملتا جو یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں بلکہ ہم اپنا تعارف بھی ان فرقوں سے کروانے کے عادی ہو چکے ہیں۔ ظفر اپنے شعر میں اسی بات کو بڑے دکھ سے بیان کر رہے ہیں کہ اے بھائیو ہم تو مسلمان تھے، ہم ایک امت تھے لیکن آج ہم پر مسلکوں کے ٹیگ لگے ہوئے ہیں جو کہ ہم نے خود لگائے ہیں۔ اس فرقہ بندی کی بنیاد پر ہم نے دوسرے کو افضل و ابتر سمجھنا شروع کر دیا ہے اور یہی فرقہ بندی ہمارے معاشرے میں ایک جنگ کی شکل اختیار کر چکی ہے۔

ہم ایک دوسرے کے دشمن بنے بیٹھے ہیں۔ ہماری طاقت کو ٹکڑوں میں اور فرقوں میں منقسم کر کے بیرونی قوتیں ہم پر قابض ہونا چاہتی ہیں۔ ظفر اپنی نسل کو اس سازش سے بہرہ مند کروانا چاہتے ہیں تا کہ وقت رہتے ہوئے ہم سنبھل جائیں۔ اس سازش کے جال سے

خود کو آزاد کرلیں اور اس سب کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ ہم سب کا رب ایک ہے، ہم سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی آخر الزمان مانتے ہیں۔ ہم سب قرآن کو ہدایت کا سرچشمہ مانتے ہیں اور سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں اور ایک امت ہیں۔ لہٰذا ہماری بقا کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اس فرقہ واریت کے جال سے نکلیں اور دشمن کی چالوں کو سمجھیں۔ اپنوں پر ہی اپنے ہتھیار آزمانے کی بجائے انہیں بیرونی طاقتوں پر استعمال کریں۔ فرقہ واریت سے بچنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے کلام پاک میں اس طرح دیا ہے کہ سورۃ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ترجمہ: اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی کو سب کے سب اور نہ تم فرقہ فرقہ بنو۔ ۱۷؎''

احکام باری تعالیٰ کے بعد کوئی دلیل نہیں باقی رہتی کہ جو اس سلسلے میں دی جائے۔ خود اللہ پاک نے انسانوں سے کہا کہ سب کے سب میری رسی کو مضبوطی سے تھامو۔ اللہ پاک کے قربان جائیں یہ نہیں کہا کہ فلاں فرقے والے پکڑ لو یا فلاں فلاں والوں کو اجازت نہیں ہے کہ وہ پکڑیں کہا کہ سب کے سب یعنی تمام انسانوں کی ہدایت اور سب کی نجات اسی میں ہے کہ وہ اس راہ ہدایت یعنی قرآن پاک کو مضبوطی سے تھام لیں اور تمام حالات میں اسی سے ہدایت اور مدد طلب کریں اور اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں فرقہ بندی سے ممانعت فرما دی کہ خبردار ہو جاؤ اور ہرگز فرقوں میں نہ بٹو کیونکہ صرف اتفاق میں برکت ہے۔ نا اتفاقی تو سراسر تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

آج مسلمانوں کی پسماندگی اور ناکامی کی سب سے بڑی وجہ ہی تقسیم یہی فرقہ پرستی ہے۔ ظفر اس بات کا بخوبی علم رکھتے ہیں کہ فرقہ بندی کے ہوتے ہوئے کسی بھی قوم کا

پنپنا بہت مشکل ہے کیونکہ پنپنے کے عمل میں سب کا مل کر، اکٹھے اور یکجا ہو کر زور لگانا بہت ضروری ہوتا ہے۔ کبوتروں کی کہانی تو سب نے سنی ہے نہ جب شکاری نے ان پر جال پھینکا تو سب نے مل کر اکٹھے زور لگایا اور اس کے جال کو بھی ساتھ ہی لے اڑے۔ لیکن ہائے افسوس! ہم انسان جو اشرف المخلوقات ہیں ان کبوتروں سے بھی زیادہ معصوم ہیں کہ نہ ہی ہمیں جال نظر آ رہا ہے اور نہ ہی ہم شکاری سے آشنا ہیں۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں یا شاید یہ سمجھنا ہی نہیں چاہتے کہ شکاری کے کس طرح سے ہمیں فرقہ بندی کے جال میں پھنسایا ہوا ہے اور نہ ہی ہمیں یہ سمجھ آ رہی ہے کہ اس جال سے نکلنے کی پہلی شرط یکجا ہونا ہے ہم سب کو ایک ساتھ مل کر زور لگانا ہوگا اس جال سے نکلنے کے لئے جو کہ فرقہ بندی کے ہوتے ہوئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

فرقہ بندی مسلمانوں کے دشمنوں کا بہت بڑا ہتھیار ہے کہ اس کے ذریعے وہ ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ہمیں ٹکڑوں اور فرقوں میں بانٹ کر پہلے کمزور کرتے ہیں اور پھر اس شیر کی طرح ہم پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں جو بیلوں کو آپس میں لڑوا کر روزانہ ایک بیل کا شکار کرتا تھا اور باقی بیل لڑائی میں کھڑے منہ دیکھتے رہتے تھے۔ فرقہ بندی کی وجہ سے باہمی توانائیاں ضائع ہو جاتی ہیں اور یہی بات ظفر اعوان اپنی شاعری کے ذریعے ہمیں سمجھانا چاہتے ہیں کہ آج ہم پر مسالک کے ٹیگ لگا کر ہمیں مسلمان کی بجائے فرقوں میں بانٹ کر کمزور کر دیا گیا ہے۔ ہم اکثریت ہونے کے باوجود خود کو فرقوں میں تقسیم کرتے ہیں تو خود بخود اقلیت بن جاتے ہیں۔ ہمارے دلوں سے باہمی پیار و محبت ختم ہو جاتی ہے اور ہم ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے کام نہیں آتے جو کہ آخر کار سب کی مشترکہ تباہی کا سبب بنتی ہے۔

عصر حاضر کے دوسرے شعراء کی طرح ظفر اعوان بھی اپنی شاعری کے ذریعے اپنی قوم اور اپنی نوجوان نسل کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لئے نت نئے جتن کرتے ہیں کہ وہ ہوش کے ناخن لیں دشمن کی چالوں کو سمجھیں اور خود کو فرقہ بندی سے نکال کر باہم ایک امت اور ایک قوم کی شکل اختیار کریں تاکہ ہم پوری دنیا میں بھاری اکثریت بن کر ابھریں اور دین کے دشمنوں پر غالب آسکیں۔ یہی واحد طریقہ ہے کہ ہم پوری دنیا میں دین کا بول بالا کرنے کے قابل ہوسکیں گے ورنہ باہمی اختلافات اور ذاتی مفادات میں بٹ کر ہم صرف اور صرف فرقہ بندی کی بھینٹ چڑھ جائیں گے۔ اس طرح نہ دنیا میں ہمارا کوئی نام ہوگا اور نہ آخرت میں کوئی حصہ ہوگا اللہ پاک ہمیں باہمی اتفاق سے اللہ پاک کے احکامات اور نبی کریم کی سنتوں پر اور طریقوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

معاشی جلاوطنی:

جلاوطنی کا مطلب ہے وطن بدر کر دینا یا وطن سے نکال دینا۔ معاشی جلاوطنی سے مراد ہے تلاش معاش کے لئے وطن بدر ہو جانا یا کر دیا جانا۔ ظفر اعوان اپنی شاعری میں جابجا معاشی جلاوطنی کا رونا روتے نظر آتے ہیں۔ پڑھے لکھے ہونے کے باوجود جب اپنے ملک میں مناسب روزگار کے نہ ملنے کی وجہ سے نوجوان دوسرے ترقی یافتہ ممالک کا رُخ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ گھربار کے اخراجات پورے کرنے کے لیے اور خاندان کی وہ ذمہ داریاں نبھانے کے لیے نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں اپنا آزاد ملک چھوڑ کر غلاموں کی سی زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ یہی دکھ ظفر نے خود بھی جھیلا ہے اور بہت ساروں کو جھیلتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ظفر معاشی جلاوطن کے دکھ کا اظہار اپنی کتاب ”دھیمی اذانیں“ میں کچھ اس طرح کرتے ہیں:

بھوک سے تڑپتے ہیں جب نہال بستی کے
مائیں غم مناتی ہیں شام کی اداسی میں[۱۸]

ملک میں جب مفلسی کے ڈیرے ہوں اور گھر میں دو وقت کی روزی روٹی کا بھی انتظام کرنا محال ہو تو بھوک سے بلکتے ہوئے بچے دیکھے نہیں جاتے۔ظفر انہی حالات کی عکاسی اپنے اس شعر میں کرتے ہیں کہ جب اخراجات زیادہ ہوں آمدن کم ہو تو جائز ضروریات بھی صلب ہو جاتی ہیں۔کوئی بھی اپنے پیاروں کو زندگی کی بنیادی ضروریات کے لیے تڑپتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ پھر زندگی کا یہ کٹھن مرحلہ آتا ہے انسان خود ہی اپنے آپ کو اس کے جلاوطنی کے نامزد کرتا ہے۔ایک انسان کے جانے سے سارا خاندان ادھورا ہو جاتا ہے۔ ماؤں سے ان کے لعل دور ہو جاتے ہیں وہ اپنا سارا بڑھاپا اپنے جوان بیٹوں کی شکل دیکھنے کو ترستے گزار دیتی ہیں۔ جیسا کہ ظفر اپنے اس شعر میں کہتے ہیں کہ مائیں ڈھلتی شاموں کی اداسیوں میں اپنے جگر گوشوں کی جدائی کا غم مناتی ہیں اور باقی سب سے چھپا کر اپنی اولاد کے ہجر میں آنسو بہاتی ہیں۔ دوسری طرف ان کی اولاد کا بچپن باپ کی شفقت کے بغیر صرف اس کی تصویر دیکھ کر ہی گزارتا ہے۔ بہنیں اپنے بھائیوں کی قربت کو ترستی رہتی ہیں تب جا کر ایک خاندان کے بنیادی اخراجات پورے ہوتے ہیں۔ دوسری طرف نوجوان اس جلاوطنی کو اپنے مقدر میں لکھ کر اپنا دیس، گھر بار، بیوی، بچے، بہن، بھائی اور ماں باپ نیز سب رشتے ناتے چھوڑ کر دیارِ غیر دھکے کھاتا ہے وہاں کی تمام مشکلات کو اکیلے برداشت کرتا ہے اور اس کا دکھ کوئی جان ہی نہیں سکتا۔ دیارِ غیر میں نہ کوئی اس کے دکھ کو سننے والا ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی دلاسہ تسلی دینے والا۔ظفر اعوان اپنی شاعری میں جا بجا ان معاشی جلاوطنی کی بھینٹ چڑھنے والے نوجوانوں کے درد کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ظفر کے

مشاہدے اور حسن سخن کی داد ان کے ایک دوست ادیب ڈاکٹر یونس امین ان الفاظ میں دیتے ہیں:

> ''ان کی گفتگوئے سخن میں پردیس اور پردیس کے مصائب کبھی کبھار تو یادوں کا صحرا یوں ساکت کرتے ہیں کہ غریب الوطنی ایک شہر برباد یا ملبے کا ڈھیر بن جاتی ہے۔ کبھی کبھار تو ایسا لگتا ہے کہ ایک قصہ گو چھالے کی جلن اور مسافت کی تھکن کی سرابیت کو اداسی کے صحرا میں ہوائے تند کی ستم ظریفی نہیں گردانتا بلکہ اپنی خوبی سمجھتا ہے۔ ۱۹؎ ''

ظفر جب بھی اپنے حلقہ احباب میں گفتگو کرتے ہیں تو ان کے لبوں پر پردیس کے دکھ اور پردیسیوں کے مصائب کا تذکرہ ہوتا ہے۔ وہ اتنے دکھ سے ان کا بیان کرتے ہیں کہ سننے والے دم سادھے ساکت رہ جاتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ سامعین نے خود اپنی آنکھوں سے اُن کو یہ سب مظالم سہتے دیکھا ہو۔ ظفر اپنی اور اپنے جیسے ہزاروں ساتھیوں کی غریب الوطنی کا دکھ بیان کرتے ہیں تو سامعین کی آنکھیں حیرت زدہ انداز میں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں کہ یہ انسان اس قدر حساس ہے اور اسے دوسروں کے دکھوں کا اس قدر اندازہ ہے۔ یہ انسانیت کے دکھوں کو اس قدر میں محسوس کرتا ہے۔ پھر ظفر حاضرین محفل کو پردیسیوں کے لاجواب ہمت و حوصلے حوصلے کی بھی داستانیں سناتے ہیں۔ یہ ظفر کے اندا بیان کا حسن ہے کہ سامعین کو لگتا ہے کہ ظفر یا دوسرے پردیسی پردیس کی مسافت سے پڑنے والے چھالوں سے یعنی ان تمام مشکلات سے جن کا انہوں نے سامنا کیا ہے تھکے نہیں ہیں، پریشان بھی نہیں بلکہ وہ خندہ پیشانی سے اپنی صلاحیتوں سے ان کو برداشت کر کے پھر بھی جب اپنوں سے ملتے ہیں تو مسکرانے کا ہنر رکھتے ہیں۔ یہ ان کی خوبی ہے کہ وہ ان تمام

تکالیف سے اپنے پیاروں کو بے خبر بھی رکھتے ہیں اور ان سے جب بھی ملتے ہیں اتنی خوش دلی سے ملتے ہیں کہ انہیں محسوس ہی نہیں ہوتا کہ انہوں نے کتنے زخم جھیلے اور کتنی خاک چھانی تو ان کو یہ سکون مہیا کیا۔لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔اس معاشی جلاوطنی میں ساری جوانی اس کی اپنوں کے بغیر، بچوں کے بچپن کو دیکھے بغیر اور ماں باپ کے سایہ شفقت کو ترستے گزر جاتی ہے۔ اس پر ایک اور ستم ظریفی یہ بھی ہوتی ہے کہ یہ جلا وطن نوجوان صرف پیسے کمانے والی مشین بن کر رہ جاتا ہے نہ کسی شادی میں شامل ہو سکتا ہے اور مجبوریوں میں بندھا ہوا اپنوں کے آخری دیدار سے بھی اکثر محروم ہی رہا جاتا ہے۔

وہ ان مہاجروں ،جلا وطنوں اور پردیسیوں کے دکھی دلوں کی عکاسی اپنے اشعار میں جا بجا کرتے ہیں اور ان کے اندر کے دکھ سے دنیا کو روشناس کروانے کی کوشش سچے دل سے کرتے ہیں۔ظفر ان کے درد سے بخوبی آشنا ہیں کیونکہ وہ خود اس درد کی چکی میں بہت باریکی سے پس چکے ہیں یہی وجہ ہے شاید کہ جب بھی ان کے گاؤں سے کوئی یورپ جاتا ہے تو وہ کھلے دل سے اس کا استقبال کرتے ہیں اور کوئی مستقل روزگار اور ٹھکانہ ملنے تک اسے اپنا مہمان رکھتے ہیں۔ظفر اعوان اچھے شاعر ہی نہیں بلکہ ایک بے حد اچھے انسان بھی ہیں جو انسانیت کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتے ہیں اور اپنے اشعار کے ذریعے ان کی ترجمانی کرتے ہیں۔

عقل وشعور(آگہی):

ظفر اعوان کا تعلق شہرِ اقبال سے ہے تو یہ تعلق صرف نام کا نہیں ہے۔ظفر کی سوچوں پر بھی علامہ اقبال کی سوچ اور نظریات کا گہرا سایہ ہے۔اقبال کی طرح ظفر بھی اندھی تقلید کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ اپنی عقل اور اپنی سوچ کو نکھارنے کے حامی ہیں۔وہ اس بات کے

قائل ہیں کہ انسان کو ہر معاملے میں نئی سوچ نئے تجربات سے کام لینا چاہیے نا کہ بغیر سوچے سمجھے پہلے سے بنے ہوئے راستوں پر چلتا رہے۔ وہ ایک جدت پسند شاعر ہیں اور اپنے جدید خیالات کا اظہار اپنے اشعار میں بھی برملا طور پر کرتے ہیں۔ ظفر کی یہ خواہش ہے کہ انہیں علم و آگہی اور شعور ملے جس سے ان کی سوچ میں نکھار آئے۔ ان کے عمل سے لوگ کچھ نیا سیکھیں۔ ہمارے ہاں عام طور پر یہ رواج ہے کہ لوگ عالموں، فاضلوں اور پیروں فقیروں کی اندھی تقلید کرتے ہیں وہ غلط ہوں یا صحیح آنکھیں بند کر کے انکی مان لیتے ہیں جس کے اکثر اوقات سنگین نتائج نکلتے ہیں۔ ظفر اپنی نسل کو اس تقلید سے بچانا چاہتے ہیں اور ان میں عقل و شعور اور آگہی کی لُو لگانا چاہتے ہیں۔ اپنی جذبات کا اظہار ظفر اپنے شعر میں کچھ اس طرح کرتے ہیں:

تقلید سے ہوں بڑھ کے قائل شعور کا
مرشد کو چھوڑ کر میں زیرک مرید لوں[۲۰]

ظفر ان اشعار میں اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ کوئی مجھے شعور دے مجھے آگہی دے معاملہ فہمی سکھائے اور علم سکھائے نہ کہ مجھے راستہ دکھا دے کے جس پر میں آنکھیں بند کر کے چلوں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسے مرشد سے کہ جو اپنی اندھی تقلید کا قائل کرے وہ طالب علم وہ شاگرد بہتر ہے جو مجھے جگائے جو مجھ سے سوالات کرے مجھے جھنجھوڑے اور مجھے حرکت میں رکھے اور اس کے سوالات کے جوابات کے لیے میں سرگرم عمل رہوں۔ ظفر خود کو سرگرم عمل رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ میں کیا چاہتا ہوں یا مجھے یہ آزادی دی جائے کہ میں جو چاہے لے لوں تو میرا انتخاب فکر جدید ہو گی۔ میں اپنے عمل کے لیے جدید فکر، جدید سوچ اور نت نئے خیالات کا انتخاب کروں گا کیونکہ یہی انسان

کی ترقی کا اصل پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اسی سے ترقی کی منزل کی طرف نئی راہیں کھلتی ہیں۔ انسان میں شوق سفر پیدا ہوتا ہے۔ تقلید تو ذوقِ سفر کو ختم کر دیتی ہے اور سوچ کے دریچے بند کر دیتی ہے۔

شعور و آگہی ہی انسان کو انسان بناتی ہے اور باقی مخلوقات سے افضل کر کے "اشرف المخلوقات" کا شرف بخشتی ہے۔ یہ انسان پر اللہ تعالی کی خاص عطا ہے کہ اُس نے اِسے سمجھ بوجھ کا شرف بخشا ہے۔ اب اگر ہم انسان اس عطا کو استعمال نہ کریں تو یہ نعمت کی ناقدری کرنے کے مترادف ہوگا۔ اس سب سے ظفر کا اصل اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ہمیں اپنی اقدار، اپنی روایات کو پس پشت نہیں ڈالنا چاہیے۔ آج کل ہم نے مغرب کی اندھا دھند تقلید شروع کر دی ہے۔ ہمارے ہر عمل میں ان کا رنگ واضح نظر آتا ہے حالانکہ ہمارا مذہب ہمیں بتاتا ہے کہ مغرب تو نام ہی پستی کا ہے۔ اس طرف جاتا تو سورج بھی غروب ہو جاتا ہے۔ ہمیں اگر تقلید کرنی ہی ہے تو اپنے اسلاف کی جرات، بہادری اور ان کی عقل و دانش مندی کی کرنی چاہیے۔ وہ کس طرح معاملات کو حل کرتے، ان کے طریقوں کو نئے دور کے جدید تقاضوں میں ڈھال کر ترقی کی راہوں کی طرف گامزن ہونا چاہیے لیکن ہم حقیقت میں اس کے بالکل الٹ کر رہے ہیں۔ ظفر اپنے معاشرے کی اس حالت زار کے بارے میں فکرمند رہتے ہیں اور وقتاً فوقتاً پھر وہ اپنے خوبصورت اشعار کے ذریعے اپنا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہتے ہیں کہ جانے کب، کہاں اور کس پر کوئی بات اثر کر جائے اور ان کے لکھنے کا مقصد پورا ہو جائے۔

غمِ دوراں اور غمِ جاناں:

معاشرتی مسائل لڑائیاں، جھگڑے، بدامنی و بدسلوکیاں اور قتل و غارت جیسے واقعات

انسان کو غمگین کر دیتے ہیں۔ ہر ذی روح کو اس کے اردگرد کا ماحول اثر انداز کرتا ہے ایسے میں حضرت انسان پر ماحول کا اثر ہونا تو پھر ایک یقینی امر ہے۔ ایسے میں معاشرے کے حساس اور دردمند طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ تو ہمیشہ یہی سوچتے ہیں کہ وہ ایسا کیا کریں کہ لوگوں کے دکھ مٹ جائیں، غم سمٹ جائیں، ہر طرف امن کا بول بالا ہو، سب کی مشکلات حل ہو جائیں اور سب کے چہرے ہر وقت ہشاش بشاش اور تروتازہ نظر آئیں۔ شاعر لوگوں کے غموں میں اور بھی زیادہ غمگین ہو جاتے ہیں۔ کچھ ان بیچاروں کی اپنی زندگیاں بھی مشکلات سے ماورا نہیں ہوتیں۔ ایسے میں شاعر حضرات ان غموں کے اظہار کے لئے اپنا قلم اٹھاتے ہیں اور اشعار کی صورت میں اپنے تمام غم ظاہر کر دیتے ہیں۔ ظفر اعوان نے غیر ملک میں بہت سی مشکلات کا سامنا کیا، بہت سی ناکامیاں دیکھیں، بڑے غم اُٹھائے اور ان غموں کا اظہار اپنے اشعار میں کیا۔ ظفر ایسے انسان ہیں کہ انہیں صرف اپنا غم ہی غمگین نہیں کرتا بلکہ وہ دوسروں کے دکھ اور غم سے بھی رنجیدہ ہو جاتے ہیں۔

ظفر نے اپنی شاعری میں جا بجا حالات کے مارے ہوئے اور گردشِ ایّام کی چکی میں پسے ہوئے لوگوں کے دکھی دلوں کی ترجمانی کی ہے۔ وقت اور حالات ہمیشہ ایک سے نہیں رہتے۔ گردش ایام کا پہیہ بہت سے اپنوں کو چھین لیتا ہے اور بہت سے اپنے پرائے ہو جاتے ہیں۔ غمِ دوراں میں ڈوبے ظفر اچھے دنوں کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

گزارے تھے ظفر جو ساتھ مل کر
وہی موسم تو تھے سردار موسم [۲۱]

ظفر یاد کرتے ہیں کہ پرانا وقت کتنا اچھا تھا سب ایک ساتھ مل کر ایک ہی آنگن میں اکٹھے کھیلا کرتے تھے۔ سارا گاؤں اپنے گھر کی طرح تھا۔ سارے بزرگ دادا اور نانا لگتے

تھے۔ ہر طرف اپنائیت تھی لیکن پھر وقت کا پہیہ ایسا گھوما کہ سب کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ وہ وقت جب کہ آسائشیں کم تھیں لیکن سب کا ساتھ تھا وہ سنہری وقت تھا۔ اس وقت کی یادیں بھی ہمارا اثاثہ ہیں۔ ظفر کہتے ہیں کہ غمِ دوراں نے اپنوں سے اپنائیت چھین لی۔ ہم سے رشتے دور کر دیئے۔ ہر کسی کو اب پیسے کی طلب ہے۔ ہر ایک کا دل زیادہ کی طلب میں بے قرار رہتا ہے۔ اب نوجوان اپنے بڑے بوڑھوں سے تنگ پڑ جاتے ہیں اور ایک ہمارا وقت تھا کہ ہم ان کی محبت کو ترستے تھے اور ان کے ساتھ گزارا ہوا وقت سب سے اچھا لگتا تھا۔ ماں باپ کی چھاؤں کی ٹھنڈک کا احساس یہاں کے اچھے موسموں سے بھی زیادہ اچھا ہے۔

ظفر کا دل اس بات سے بہت دکھتا ہے کہ وہ گردش حالات کی وجہ سے اپنوں سے دور اور اپنے وطن سے دور ہوئے ہیں۔ غمِ دوراں اور اس سے چھن جانے والی خوشیوں کا ذکر ایک بار نہیں ظفر کی شاعری میں یہ ذکر بار بار ہر جگہ نظر آئے گا۔ ایک اور جگہ یوں لکھتے ہیں:

چھین کے چین غریبوں کا
اب سلطانی جاری ہے [۲۲]

ظفر ان اشعار میں بھی حالات کا رونا روتے نظر آتے ہیں کہ وقت کے بادشاہوں کو غریبوں کا چین سکون غارت کر کے ہی سکون ملتا ہے۔ وہ غریبوں کا دن رات خون چوستے ہیں۔ ساری محنت ان سے کرواتے ہیں اور خود عیش وعشرت کے مزے لیتے ہیں۔ غریب عوام بس غربت کی چکی میں پستی چلی جاتی ہے اور دوسری طرف حکمران اپنی بادشاہت کے نشے میں ڈوبے رہتے ہیں۔ ہماری غربت کا یہ حال بھی عرصہ دراز سے ہے اور ان کی سلطانی زندگی بھی بہت قدیم ہے۔ ظفر انتہائی دکھ سے کہتے ہیں کہ ہم جیسے غریبوں کی قربانیوں کا یہ

سلسلہ آج یا کل کی بات نہیں ہے بلکہ یہ بہت قدیم روایت چلی آ رہی ہے کہ پسنے کے لئے ہمیشہ غریب عوام ہی موجود ہوتے ہیں۔ یہ نام نہاد لیڈر، حکمران، اور بادشاہ یہ سب صرف اور صرف اپنے آرام اور اپنے مفادات کے لئے سب کچھ کرتے ہیں ان کو غریب عوام ان کے دکھ درد ان کے مسائل یا ان کے حل سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اپنی جان مال اولاد کی قربانی ہمیشہ غریب کو ہی دینی پڑتی ہے۔ کوئی حادثہ پیش آ جائے تو کوئی بھی طاقتور کو سزا دینے کے لئے سامنے نہیں آتا اور دوسری طرف روٹی چرانے پر بھی غریب کے بچے کو سخت سزائیں سنا دی جاتی ہیں۔ معاشرے کے کچھ مخصوص طبقات بس ساری زندگی ہی حالات کی چکی میں پستے رہتے ہیں اور کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں ہوتا ایسے لوگوں کی ترجمانی کے لیے ظفر نے اپنا قلم اٹھا رکھا۔

ظفر اعوان کا فن ان کی سوچ اور ان کا تخیل صرف غم دوراں تک ہی محدود نہیں بلکہ انہوں نے غم جاناں کی حدت کو بھی قریب سے محسوس کیا ہے۔ ظفر اعوان نے بھی غزلیہ شاعری کے طرہ امتیاز یعنی غم جاناں کی گلی میں قدم رکھا ہوا ہے۔ محبوب سے محبت کے لازوال جذبے میں ڈوب کر شعراء حضرات اپنے محبوب کی شان میں جہاں قصیدے کہتے ہیں وہیں وہ محبوب کی بے وفائی اور کج روی پر نوحہ کرتے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ظفر اعوان بھی محبوب کی بے اعتنائی پر کئی جگہ پر غمِ نڈھال دکھائی دیتے ہیں۔ محبوب سے ہجر کا دکھ ظفر اپنے اس شعر میں کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

تیرا چھن جانا بھی دل نے سہہ لیا
اور اشکوں کی جھڑی بھی دیکھ لی [۲۳]

اس شعر میں ظفر غم جاناں کی آخری حدود کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عاشق کے

لئے غم کی سب سے آخری حد اس کے محبوب کی جدائی ہوتی ہے۔تو ہم نے تیرا چھن جانا، تیری جدائی، تیرا ہجر سب کچھ دیکھ بھی لیا اور دل نے یہ سانحہ برداشت بھی کرلیا۔غم کے وقت آنکھیں کب جھڑی لگا دیتی ہیں خبر تک نہیں ہوتی۔ظفر اس شعر میں جذبات کے ضبط کرنے اور ضبط ٹوٹنے دونوں کی کہانی بیان کر رہے ہیں۔جہاں ایک طرف کہتے ہیں کہ دل نے سہہ لیا ہے تمہارے جانے کا صدمہ اور یہ حادثہ برداشت کرلیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ آنکھوں کی حالت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آنکھوں نے آنسوؤں کی برسات ہی کردی۔ تمہارے جانے پر اس دل نے ایک تمہارا ہجر دیکھا اور دوسری طرف آنکھوں کا ساون۔یہ دل کا ہی حوصلہ ہے کہ وہ سب کچھ برداشت کر جاتا ہے۔ظفر ایک طرف خود غمِ جاناں سے نڈھال ہیں ساتھ ہی ساتھ انہیں یہ دھیان لگا رہتا ہے کہ ان کے جیسے اور بھی بہت سے بیچارے ہیں لیکن وہ اپنے جذبات کو الفاظ میں ڈھالنے کا فن نہیں رکھتے۔ان کے لئے مشکل اور بھی بڑھ جاتی ہے۔اظہارِ غم کو ہلکا کر دیتا ہے۔اس لئے ظفر اپنے ساتھ ساتھ باقی تمام غمزدوں کے غموں کی بھی عکاسی اپنے اشعار کے ذریعے کرتے نظر آتے ہیں۔

ظفر کہتے ہیں کہ زندگی کے کچھ غم ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا مداوا ساری زندگی نہیں ہو پاتا۔وہ غم انسان کو اندر ہی اندر سے دیمک کی طرح چاٹ جاتے ہیں۔غم کی نوعیت مختلف ہوسکتی ہے وہ غمِ دوراں بھی ہوسکتا ہے اور غمِ جاناں بھی۔کسی اپنے کی تکلیف کا غم بھی ہوسکتا ہے اور کسی کے چھن جانے کا دکھ بھی لیکن حقیقی غم وہی ہے جو انسان دوسروں کا محسوس کرے اور جب غم انسان میں اپنی ذات کے بجائے دوسروں کے لئے ہمدردی اور محبت کے جذبات پیدا کردے اور آفاقیت اختیار کرلے۔یہی غم حقیقی اور آفاقی ہے۔غم کی اسی حقیقت کے بارے میں فراق گورکھپوری یوں رقم طراز ہیں:

> ''غم عموماً شروع تو ہوتا ہے کسی ذاتی سانحے سے لیکن اگر صحیح معنوں میں کسی کو توفیقِ غم ہوتی ہے تو یہی غم حیات و کائنات کی معنویت کو سمجھنے کا ذریعہ بن جاتا ہے اور اس میں آفاقیت آجاتی ہے۔ ۲۴؎''

غم ایک عطا ہے۔ شروع میں انسان اس کا اصل مقصد سمجھ نہیں پاتا اور غم کی شدت سے نڈھال ہو جاتا ہے لیکن جو اپنے ضبط اور صبر سے اس کا مطلب و مقصد سمجھ جائے تو اس پر کائنات کے راز افشاں ہوتے ہیں۔ اسے پتہ چلتا ہے کہ یہ غم ہی زندگی کا اصل راز ہے۔ یہ ایک توفیق ہے جو اللہ پاک اپنے خاص بندوں کو عطا ہیں۔ اگر غم سزا ہوتی ہوتی تو یہ انبیاء کو نصیب نہ ہوتے۔ اللہ اپنے خاص چنے ہوئے بندوں پر غم کی حقیقت کو کھولتے ہیں۔ آفاقی راز افشاں کرتے ہیں اور ان کے دل کو سوز و گداز سے نوازا جاتا ہے۔ جب ہم سے اپنی کوئی عزیز شے کوئی عزیز رشتہ دور جاتا ہے تو ہم مبتلائے غم ہو جاتے ہیں۔ جب ہم خود غم کی کیفیت سے گزرتے ہیں اس کے بعد کسی اور کو اسی کیفیت میں مبتلا دیکھیں تو اس کی دلی حالت کا اندازہ ہم سے بہتر اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اسی اپنائیت کے احساس کو اجاگر کرنے کے لیے اور ہمیں انسانیت کی معراج تک پہنچانے کے لئے اللہ پاک ہمیں مختلف غموں اور آزمائشوں کی بھٹی سے گزارتے ہیں تاکہ ہم آخرت میں امت مسلمہ کے کندن بن کر چمکیں اور دنیا و آخرت میں کامیاب لوگوں میں شامل ہو سکیں۔

موسم:

شعرا حضرات نے اپنی شاعری میں حقیقی موسموں کا ذکر اپنے دل کے موسموں کی ترجمانی کے لئے کیا ہے۔ دل کا موسم ہی اصل میں باقی تمام موسموں کو جنم دیتا ہے۔ اگر دل کا موسم اچھا ہو تو باہر کا سخت ترین موسم بھی خوشگوار لگنے لگتا ہے اور اگر دل کا موسم غمگین و ابر آلود

ہوتو باہر کے سہانے موسم بھی دلکش نہیں لگتے۔ظفر اعوان نے بھی اپنی شاعری میں موسموں کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔کہیں انہوں نے ہجر کے موسم کی ستم ظریفی کا ذکر کیا ہے تو کہیں وصال کے موسم کی دلکشی کو اپنے اشعار میں ڈھالا ہے۔البتہ کسی بھی قسم کا موسم ہو ظفر نے اپنے انداز میں ہر طرح کے موسموں کی ترجمانی کی ہے۔ظفر اعوان اپنے تخیّل میں ڈوب کر بے مثال اشعار تخلیق کرتے ہیں۔وہ ہجر و وصال، خوشی و غم ،قرب و جدائی جیسے جذبات کو موسموں کے ساتھ تشبیہ کے ذریعے ملاتے ہیں۔خوبصورت مثالوں سے سامعین کو محظوظ کرتے ہیں۔ان کے شعری مجموعہ کلام ”دھیمی اذانیں“ پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں ظفر اعوان نے بڑے منفرد انداز میں موسموں کا ذکر کیا ہے:

تمہارے بعد ہم کو لگ رہے ہیں
کبھی خنجر کبھی تلوار موسم ۲۵؎

ظفر اعوان نے یہاں ہجر اور جدائی کو بیان کیا ہے۔یہ ہجر ان کے دل و جان سے عزیز وطن سے ہے کہ جس سے جدا ہو کر ان کا جو وقت گزر رہا ہے وہ اداسی اور ملال میں ہی گزر رہا ہے۔اپنے خوبصورت رشتوں سے جدائی کا وقت بہت محال ہے۔یہ ہجر و جدائی کا ملال انہیں قلم اٹھانے پر اکساتا ہے اور اسی حالت میں ظفر بے مثال اشعار کی تخلیق کرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ ہم ہجر کے موسم سے دو چار رہے۔غیر ملک میں کوئی بھی موسم اچھا نہیں لگتا۔ہجر و جدائی والے موسم سب خوشیوں، سب ارمانوں اور جذبات پر بھاری پڑتے ہیں۔ظفر کہتے ہیں اپنوں کے بغیر تہوار منائے نہیں جاتے بس گزارے جاتے ہیں۔سب کے سب تہوار اور خوشیوں کے تمام مواقع ادھورے اور بے رونق لگتے ہیں۔سب کچھ حاصل کر لینے کے باوجود ایک خلش ،ایک ادھوری تمنا کی طرح دل میں پنپتی رہتی ہے۔دیارِ غیر

میں رہ کر ہر لمحے ان کمیوں اور اس خالی پن کو ظفر نے بہت نزدیک سے دیکھا ہے اور برداشت کیا ہے۔اسی کا تذکرہ وہ اپنے شعر میں کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ کہتے ہیں اپنے پیاروں کو مخاطب کر کے تم لوگوں کے بغیر مجھے یہاں کے سہانے اور دلکش و حسین موسم بھی خنجر وتلوار لگ رہے ہیں۔

یہاں کی بادصبا بھی مجھے تندوتیز ہوا لگتی ہے۔نیز ہر خوشگواری، موسم ماحول کی دلکشی، ہر قسم کی رنگینی اپنی چاشنی کھو چکی ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ میرے دل کا موسم اب ہمیشہ کے لئے ویران ہو چکا ہے جو کہ اب کبھی بھی آباد نہیں ہوگا۔ یہ ویرانی یہ وحشت اپنوں کی موجودگی سے ہی دور ہوسکتی ہے۔ظفر کہتے ہیں کہ بادل، گھٹائیں، بارش، موسم ہر قسم کے کردار میں ڈھلتا ہے لیکن جو ہجر کا ماتم ہے وہ کسی موسم میں بھی اپنا روپ نہیں بدلتا۔وہ اپنے محبوب سے اور اپنی عزیز ہستیوں سے ملنے کے انتظار میں ہیں کہ جب وہ ملیں گے تو پھر جو دل کا موسم کھلے گا تو باہر کا موسم اس وقت جیسا بھی ہوگا گل وگلزار لگنے لگے گا لیکن ابھی تک تو موسم کے وار تیر وتلوار کی طرح گھائل کر رہے ہیں کیونکہ یہ موسم ماں سے، بہن بھائیوں سے اور پیارے وطن سے ہجر کا موسم ہے۔

دعا:

انسان بے بس ہے۔اس کے تمام معاملات کا حل اللہ رب العزت کے پاس ہے۔ ہر انسان اپنی خواہشات اور حاجات کو پورا ہوتے دیکھنا چاہتا ہے اور ان کی تکمیل کیلئے اللہ پاک کی بارگاہ میں دست دعا بلند کرتا ہے۔ دعا عبادت کی روح ہے۔ دعا اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مانگنے پر بہت خوش ہوتے ہیں بلکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں مانگتے اُن سے اللہ پاک ناراض ہوتے ہیں۔قرآن

کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''ترجمہ: جب کوئی پکارنے والا پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا ہوں۔۲۶''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ جب بندہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے تو خالق ومخلوق کے درمیان ایک مضبوط روحانیت کا تعلق قائم ہوتا ہے۔ اس تعلق میں سرشار ہو کر انسان اپنی تمام ظاہری و پوشیدہ حاجات ومشکلات کی تفصیل اپنے رب سے کہہ دیتا ہے اور یہ سب کرتے ہوئے اسے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اللہ پاک اسے پورے غور سے سن رہا ہے اور اس نے اپنی حاجات ایسے بادشاہ کے حضور پیش کی ہیں جس کے خزانے لازوال ہیں اور جس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ پکارنے والے کی پکار سنتا ہے اور اس کا جواب بھی دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ذات کاملہ ہے جو اپنے وعدے کے کبھی خلاف نہیں کرتا۔ اس لیے مانگنے والے کے دل میں بھی یقین ہوتا ہے کہ اس کی پکار خالی نہیں جائے گی۔ انسان کی دعا کبھی بھی رائیگاں نہیں جاتی بس اس کی قبولیت کی صورتیں الگ ہوتی ہیں۔ دعا کی قبولیت کی تین صورتیں ہوتی ہیں: یا تو جو مانگا ہے وہی مل جاتا ہے یا اس سے کوئی بہتر چیز سے نواز دیا جاتا ہے یا پھر کوئی مصیبت ٹال دی جاتی ہے۔ اگر ان سب میں سے کوئی بھی صورت نہ نکلے تو دعا کو آخرت کے لئے سنبھال لیا جاتا ہے اور آخرت میں اس کا اس قدر اجر وثواب ملے گا کہ انسان تب یہ خواہش کرے گا کہ کاش دنیا میں اس کی کوئی بھی دعا قبول نہ ہوئی ہوتی۔ شعراء حضرات شاعری کے ذریعے انسانی احساسات کی نمائندگی کرتے ہیں تو شاعری میں وہ دعائیہ عنصر بھی لازمی شامل رکھتے ہیں۔ ظفر اعوان کی شاعری میں بھی اللہ تعالیٰ سے التجا اور دعا کی کثرت دیکھنے کو ملتی ہے۔ انسان

اپنی خواہشات کو پورا کرنے کی اور اپنی ترقی کی دعائیں اپنے رب سے کرتا ہے۔اسی طرح ظفر اعوان بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں:

اتنا عروج بخش مرے حسنِ شعر کو
ہر ایک لکھنے والا ظفر کی مثال دے[۲۷]

ظفر اعوان زندگی سے بھرپور جذبات رکھنے والے ایک زندہ دل شاعر ہیں وہ اپنی ترقی اور عروج کے لئے اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ اے خدائے بزرگ و برتر میرے تخیل کو، میری شاعری کو اور میرے حسن سخن کو وہ اوصاف بخش کہ وہ عروج و کمال کو چھولیں۔ ادباء اور شعراء کی محفلوں میں میرے حسن سخن اور اشعار کا چرچہ ہو اور میری شاعری مثالی بن جائے۔ظفر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ پاک آپ کی عطا، آپ کی کرم نوازی کے بغیر یہ ہرگز ممکن نہیں ہے۔میری محنت، میری لگن صرف اور صرف اسی صورت میں عروج و کمال پر پہنچ سکتی ہے کہ ساتھ میں آپ کی رحمت بھی شامل ہو جائے۔عروج اور رجوع میں غور کیا جائے تو سارے حروف ایک جیسے ہیں۔اس کا مطلب ہے کہ اگر رجوع (یعنی دعا اللہ تعالیٰ سے) کیا جائے تو ہی عروج حاصل ہوتا ہے۔اس پر عمل کرتے ہوئے وہ اپنی محنت کے ساتھ ساتھ اللہ پاک سے بھی رجوع کرتے ہیں کہ وہ انہیں عروج و کمال عطا کریں اور ان کی مدد کریں۔ اور اللہ تعالی کا فضل و کرم ظفر پر ہو جائے۔اور ظفر اللہ تعالی کے عاجز بندے بن جائیں۔ غرور و تکبر سے اللہ پاک بچا کر رکھے کیوں کہ غرور تکبر اللہ تعالیٰ کے غیض و غضب کا باعث بنتا ہے۔ظفر اس بات کا پورا یقین کامل رکھتے ہیں کہ جو ہوتا ہے اللہ پاک کی رضا سے ہوتا ہے جو کرتے ہیں اللہ پاک کرتے ہیں۔"دھیمی اذانیں" میں ظفر ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہیں:

میں سوکھا ہوں ہرا کر دے
مجھے خوشبو عطا کر دے[۲۸]

ظفر اس شعر میں خود کو خوشبو دار پودا کہتے ہیں۔ اور شاعر اصل میں معاشرے کے خوشبودار پودے کی طرح ہی ہوتا ہے جو اپنے اشعار سے معاشرے کو مہکا تا ہے۔لیکن وہ اللہ پاک سے دعا کرتے ہیں کہ میں سوکھ چکا ہوں اے اللہ اگر تو کرم کرے گا تو میں پھر سے ہرا بھرا ہو جاؤں گا۔یعنی پھر سے میری قلم شعر سخن سے ہری بھری ہو جائے گی۔تخیل کی پرواز بلندیوں کو چھوئے گی۔ظفر اللہ تعالی سے دعا گو ہیں کہ اے میرے پیارے اللہ مجھے اپنے خزانوں سے اصناف کے کمالات کی خوشبو سے مالا مال کر دے۔میرے ذہن کے سوکھے ہوئے گوشوں کو تخیل اور تخلیق کی کھیتی سے ہرا کر دے۔ میں ایسے شعر لکھوں اور کہوں کہ وہ سننے والوں کی زندگیوں کو معطر کر دیں۔ان کی سوچ اور ان کے ذہنوں پر اثر انداز ہو کر معاشرے کو سنوارنے کا سبب بنیں۔ یہ سب صرف اور صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ اللہ پاک کا کرم انسان کی محنت کے ساتھ شامل ہو جائے۔انسان اللہ پاک کے کرم، فضل اور اس کی رحمت کے سوا ہرگز کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہو سکتا۔انسان اللہ پاک سے جس قدر اس کے فضل اور اس کی رحمت کا طالب ہوگا اتنا ہی اس کو نوازا جاتا ہے۔لہذا ظفر اعوان بھی ہر دم اللہ تعالی کے فضل اور رحمت کے طلبگار رہیں تا کہ ان کا فن اور ہنر ترقی کی منازل کو چھو سکے اور ان کے اشعار میں اثر انگیزی پیدا ہو جو کہ معاشرے کے لیے راہِ ہدایت کا بنیں۔

غریب الوطنی کا دکھ:

ظفر اعوان ایک نوجوان، زندگی سے بھر پور، پر جوش اور محب الوطن شاعر ہیں۔ظفر کو

اپنے وطن کی مٹی سے بھی پیار ہے۔ انہیں اپنے وطن کی مٹی کی خوشبو تک یاد آتی ہے۔ وطن کی زمین، سرسبز و شاداب میدان، لہلہاتے کھیت، باغ و بہار، اونچے پہاڑ، برفانی چوٹیاں اور یہاں تک کہ تپتے ہوئے صحرا تک اپنی جان سے زیادہ پیارے ہیں۔ وہ ہر پل اپنے وطن کی سلامتی وترقی کے لئے دعا گو رہتے ہیں۔ وقت اور حالات کی ستم ظریفی یہ ہے کہ ایسے محب وطن کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ حالات نے اس قدر مجبور کر دیا کہ جان سے پیارے وطن کی جدائی بھی سہنا پڑی۔ ظفر نے تنگی حالات کے پیش نظر یہ کٹھن فیصلہ کیا لیکن اس فیصلے کا دکھ ظفر آج بھی اٹھائے اٹھائے پھرتے ہیں۔ وہ اپنے وطن اور اس وطن میں بسنے والے اپنے چاہتوں اور محبتوں سے بھرپور رشتوں سے جدائی کے دکھ میں جب جب قلم اٹھاتے ہیں جذبات سے لبریز اشعار لکھتے ہیں۔ جیسا کہ اپنے مجموعہ کلام ''دھیمی اذانیں'' میں ظفر لکھتے ہیں:

قرض جتنا ہے چاہتوں کا ظفر
مجھ میں ہمت نہیں چکانے کی[۲۹]

ظفر اعوان اپنوں کی محبتوں اور چاہتوں کو خود پر قرض کی طرح محسوس کرتے ہیں اور دیار غیر میں بیٹھے دن رات ایک کر کے اپنوں کی سہولتوں اور آسانیوں کے لیے مشقتوں کی بھٹی میں جل رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو ماں باپ اور وطن کی مٹی کا قرض ہے وہ ساری زندگی کی مشقت سے بھی اسے اتار نہیں سکیں گے۔ ایک طرف ظفر اپنے پیارے وطن کی جدائی کے غم میں میں افسردہ ہیں تو دوسری طرف اپنوں کی جدائی انہیں اندر ہی اندر کھائے جا رہی ہے۔ اس سب کے علاوہ غیر ملک میں جو مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلنا پڑتی ہیں ان کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے پردیس جھیلا ہو ظفر سمجھتے ہیں کہ ان

کی ہمت وحوصلہ آخر کو جواب دے جائے گا اور وہ مزید یہ جدائی کا درد برداشت نہیں کر سکیں گے۔ مجبوریوں کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے یہ پردیسی وہاں بیٹھے ایک دوسرے کے درد و غم سن کر مزید غمگین ہو جاتے ہیں۔لیکن چاہ کر بھی اپنے پیاروں سے اپنے دل کی بات نہیں کر سکتے، اپنی پریشانی اپنے دکھ درد نہیں بتا سکتے۔ یہ سب اس لئے کیونکہ وہ انہیں صرف خوش دیکھنا چاہتے ہیں اور اپنے وطن کو ہر دم پھلتا پھولتا، ترقی کرتا دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ آئندہ آنے والی نسلوں کو ہجرت کا دکھ نہ سہنا پڑے۔ وہ اپنے لیے تو یہ مشکل راہ اور یہ مشکل سفر چن چکے ہیں جس پر انہیں ہر حال میں چلنا ہے لیکن یہ نہیں چاہتے کہ کسی اور اپنے کو بھی اس پر چلنا پڑے۔ ظفر اپنی مجبوری اور اپنے ہجرت کے دکھ کو اس شعر میں کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

لاکھ ہو کٹھن راستہ ہم کو دور جانا ہے
ہجرتوں کے موسم میں بس سفر ٹھکانا ہے [۳۰]

ظفر اس شعر میں اپنی مجبوری و بے بسی کا رونا روتے ہیں کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہجرت کا سفر کٹھنائیوں سے لبریز ہے اس راستے پر بہت سی مشکلات مہاجر کی منتظر ہیں اور اس سفر میں اپنے پیچھے چھوٹ جائیں گے۔ پھر بھی ہجرت کا یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ پھر بھی اس راہ پر گامزن ہونا پڑتا ہے۔ پھر بھی ہم یہ سفر شروع کرتے ہیں اور یہ ایسا سفر ہے کہ اس میں منزل بھی ہجرت ہی ہے مسلسل سفر کرنا ہی مہاجر کی منزل بن جاتی ہے۔ کیونکہ نہ چاہتے ہوئے بھی حالات کے پیشِ نظر دیارِ غیر میں بھی بہت دفعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرنا پڑتی ہے۔ یوں ایک بار جب انسان خود ہی ہجرت کو اپنا مقدر کر لیتا ہے تو پھر بہت دفعہ یہی فیصلہ دوہرانا پڑتا ہے۔

پھر یہ ہجرتوں کا موسم بادلوں کی طرح چھا جاتا ہے اور مسلسل سفر کو ہی اپنی منزل، اپنا ٹھکانا بنانا پڑتا ہے۔ ظفر نے وطن سے دوری کے درد کو اپنے دل میں بسا لیا ہے اور اب وہ اپنی شاعری کے ذریعے اپنے حکمرانوں کو پیغام دیتے ہیں کہ ملک کی حالت سدھاریں تا کہ ماؤں کو اپنے لعل اتنی دور نہ بھیجنے پڑیں اور نہ ہی نوجوانوں کو اپنی جوانی اپنی دھرتی، اپنی مٹی اور اپنے جان سے پیارے رشتوں کی جدائی میں گزارنی پڑے۔ یہ غریب الوطنی کا دکھ آئندہ نسلیں نہ دیکھیں اس کے لیے ظفر نے اپنے اشعار کی مشعل جلائی ہے۔ اللہ پاک انہیں ان کے مقصد میں کامیاب کرے۔ آمین

''دھیمی اذانیں'' ظفر اعوان کا چھٹا شعری مجموعہ ہے۔ اذان اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لیے پکار ہے جس کو سنتے ہی مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی تمام تر مصروفیات چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی پکار پر لبیک کہیں۔ اذان مسلمانوں کے لئے لیے اعزاز ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اتنی بڑی ذات ہے ہمیں خود بلا کر ملاقات کا موقع دے رہی ہے۔ ورنہ اس دنیا کے عہدے داروں سے ملنے کے لیے ہم کتنے جتن کرتے ہیں کہ ایک بار چند لمحوں کے لیے ملاقات ہو جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو بشمول امیروں اور غریبوں سب کو دن میں پانچ بار اپنے حضور پیش ہونے کا موقع دیتا ہے۔ اللہ کی نظر میں امیر غریب سب برابر ہیں۔ فضیلت صرف تقوی کی بنیاد پر ہے۔ اذان سے مراد صدا اور پکار ہے۔ یہ صدا عام انسان کی بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ ظلم کے خلاف کسی مظلوم کی آواز ہو۔ یہ پکار، یہ صدا اور یہ اذان آہستہ سی دھیمی اور دبی آواز میں بھی ہو سکتی ہے لیکن ہمارا یہ فرض ہے کہ ہمیں اس آواز کو سنتے ہی مدد کے لیے دوڑنا چاہیے تا کہ کسی مظلوم کی مدد ہو سکے۔ ظفر اعوان کا کہنا ہے ہے کہ دھیمی آواز میں اذان صرف تب ہی دی جاتی ہے جب سر پر ظلم کی تلوار لٹک رہی ہو۔ ظفر

عرصہ دراز سے بیرون ملک رہائش پذیر ہیں۔ دیار غیر میں کافی سال گزار کر ظفر نے وہاں اقلیتوں اور مہاجروں کو سسک سسک کر بے سروسامانی کی زندگی گزارتے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ان کا دکھ اتنا قریب سے دیکھا اور محسوس کیا ہے کہ اپنی کتاب کا عنوان ہی "دھیمی اذانیں" رکھ دیا ہے۔ اپنے اس شعری مجموعہ میں ظفر اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ہمارے اس غریب ترقی پذیر ملک سے غریب طبقہ کے لوگ زیادہ کمائی کے شوق میں ترقی یافتہ ممالک کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں۔ دل نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے پیاروں کو چھوڑ کر ان کے روشن مستقبل کی خاطر جدائی برداشت کرتے ہیں تا کہ ہمارے اپنوں کو سہولت مل سکے مگر اپنا وطن اپنا دیس چھوڑ کر جب پردیس میں ڈیرے لگاتے ہیں تو تب اصل حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔ تب وہاں کی عیش وعشرت اور رنگ و رونق کی حقیقت کھلتی ہے۔ پھر بھی یہاں پر مظلومیت بھری زندگی چپ کر کے گزارنے کے لیے ہم صرف اس لئے تیار ہو جاتے ہیں کہ وہاں پیچھے ہمارے دیس میں ہمارے اپنے بیٹھے ہماری طرف سے آنے والے چند پیسوں کا بے صبری سے انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ یہاں پردیس میں ناانصافی اور ظلم کو دیکھ کر اگر ہم ترک وطن کا ارادہ کر بھی لیں تو اپنے گھر والوں کی ضرورت مند صورتیں آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔ پھر مجبوراً اپنے آپ کو دوبارہ تسلی دے کر یہاں محنت کرنے کے لیے تیار کرتے ہیں۔ ظفر اعوان نے اسی قسم کے حالات اپنی آنکھوں سے پردیس میں دیکھے بھی ہیں اور اپنے اوپر سہے بھی ہیں۔ اسی لیے ظفر کی شاعری میں ہمیں جا بجا پردیسیوں، اقلیتوں، مغلوبوں، مہاجروں اور مستعیفوں کا دکھ نظر آتا ہے۔ ظفر نے پردیسیوں کے دکھ کو دیکھ کر بھلا نہیں دیا اور نہ ہی نظر انداز کیا بلکہ سارے دکھوں کو شاعری میں سمیٹ کر لوگوں کے سامنے لائے۔ تا کہ ان مظلوموں کی دبی صدائیں ان کی شاعری کے ذریعے لوگوں تک پہنچ

جائیں شاید اسی طرح اپنی شاعری کے ذریعے ظفر ان مظلوموں کی کچھ حمایت کر سکیں اور اپنی شاعری کے ذریعے ان کی آواز کو بلند کیا تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی راہ ہموار ہو جائے۔ ظفر کو اپنے دیس، دیس کے لوگوں اور یہاں کی اقدار و روایات سے بے حد لگاؤ ہے مگر تلاش معاش کے لیے انہیں یورپ میں اقلیتوں والی زندگی گزارنی پڑ رہی ہے۔ ظفر کو لگتا ہے کہ ان کا جسم یورپ میں ہے مگر ان کی روح تو اپنے وطن پیارے پاکستان میں ہی ہے۔ اس طرح انہیں اپنا وجود دو ٹکڑوں میں بٹا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے جو کہ بہت ہی تکلیف دہ بات ہے۔ کیونکہ پرائے غیر مسلم ممالک میں مسلمان اقلیت بن کر رہتے ہیں۔ پھر یاد آتا ہے اپنے ملک کی مسجدوں میں اذانوں کی آوازیں، مسجدوں کی آزادی، مسجدوں میں نمازیوں کا رش اور تراویوں کی گونج یہ سب کچھ غیر مسلم ممالک میں کہاں میسر ہو سکتا ہے۔ صرف ایک خواب ہے۔

ظفر ایوان نے اپنی کتاب ”دھیمی اذانیں“ میں مختلف عنوانات پر بات کی ہے جیسے توحید پرستی، جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو بڑی عاجزی سے اپنی شاعری کے عمدہ الفاظ میں پرو کر بیان کیا ہے۔ اسی طرح سے عشق مصطفیٰ پر بھی ظفر نے قلم اٹھایا ہے اور اپنی محبت و عقیدت کا بھرپور انداز میں اظہار کیا ہے پھر اہل بیت کے ساتھ اپنی دلی محبت کو بھی اس کتاب میں بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں ظفر نے اقلیتوں کے دکھ کو شاعری کے ذریعے ظاہر کرنے کی کوشش بہت اچھے طریقے سے کی ہے۔ الغرض ظفر نے بے شمار موضوعات کو اس کتاب میں سمونے کی ایک اچھی اور کامیاب کوشش کی ہے۔ اور کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں کیونکہ اس کتاب میں انہوں نے اُن غریب لوگوں کی مفلسی کا رونا بھی رویا ہے جو کہ اپنے گھر بار، چھوٹے بچوں، ماں باپ اور بہن بھائیوں تک کو دل نہ

چاہتے ہوئے بھی چھوڑ کر پردیس جانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ وہاں جا کر پردیس کی سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور اسی دوران اگر ملک میں کوئی اپنا ان سے جدا ہو جائے تو وہ مجبوراً وہاں سے ان اپنوں کا آخری دیدار کرنے بھی نہیں آ سکتا اور نہ ہی اپنے ہاتھوں سے ان کی آخری رسومات ادا کر سکتا ہے۔ بیچارہ پردیس میں رہ کر دوہرے عذاب سے دوچار رہتا ہے۔

المختصر ظفر ایک ترقی پسند شاعر ہیں جو معاشرے کے تمام مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں اور ان مسائل کو حل کرنے کے لئے قلم اٹھاتے ہیں۔ ظفر چاہتے ہیں کہ ہمارا ملک اتنا خوش حال ہو جائے کہ کسی کو بھی ان کی طرح پردیس جا کر مجبوراً ڈیرے نہ لگانے پڑیں۔ اور اپنی شاعری کے ذریعے ظفر نے پردیس میں مقیم اقلیتوں کا دکھ بڑے موثر انداز میں بیان کیا ہے تا کہ ان کی آواز جو بہت دھیمی ہو چکی ہے وہ آئندہ نسلوں تک پہنچ جائے۔ کیونکہ ظفر یہ چاہتے ہیں کہ جو دکھ دوری کا انہوں نے برداشت کیا ہے وہ اب آئندہ نسلوں کو نہ برداشت کرنا پڑے۔ ظفر کی شاعری اور ترقی کا سفر ابھی یہی ختم نہیں ہوا بلکہ بڑی تیزی سے اپنی اگلی منزلوں کی طرف رواں دواں ہے۔

''دھیمی اذانیں'' ظفر اعوان کا چھٹا شعری مجموعہ ہے۔ اذان اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لیے پکار ہے جس کو سنتے ہی انسان خصوصا مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی تمام تر مصروفیات چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی پکار پر لبیک کہے۔ اذان مسلمانوں کے لئے لیے اعزاز ہے کہ اللہ تعالی جو اتنی بڑی ذات ہے ہمیں خود بلا کر ملاقات کا موقع دے رہی ہے۔ ورنہ اس دنیا کے عہدے داروں سے ملنے کے لیے ہم کتنے جتن کرتے ہیں کہ ایک بار چند لمحوں کے لیے لیے ملاقات ہو جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیں غریبوں امیروں سب کو

دن میں پانچ بار آنے کا موقع دیتا ہے۔ اللہ کی نظر میں امیر غریب سب برابر ہیں۔ فضیلت صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ اذان سے مراد صدا اور پکار ہے۔ یہ صدا انسان کی بھی ہوسکتی ہے، کسی مظلوم کی بھی ہوسکتی ہے ظلم کے خلاف۔ یہ پکار یہ صدا یہ اذان آہستہ سی دھیمی دبی آواز میں بھی ہوسکتی ہے مگر ہمیں چاہیے کہ اس آواز کو سنتے ہی مدد کے لیے دوڑ آنا چاہیے تاکہ کسی مظلوم کی مدد ہوسکے۔ ظفر اعوان کا کہنا ہے کہ دھیمی آواز میں اذان صرف تب ہی دی جاتی ہے جب سر پر ظلم کی تلوار لٹک رہی ہو۔

ظفر عرصہ دراز سے بیرون ملک رہائش پذیر ہیں۔ دیارِ غیر میں کافی سال گزار کر ظفر نے وہاں اقلیتوں اور مہاجروں کو سسک کر بے سروسامانی کی زندگی گزارتے خود بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ان کا دکھ اتنا قریب سے دیکھا اور محسوس کیا ہے کہ اپنی کتاب کا عنوان ہی ''دھیمی اذانیں'' رکھ دیا ہے۔ اپنے اس شعری مجموعہ میں ظفر اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ہمارے اس غریب ترقی پذیر ملک سے غریب طبقہ کے لوگ زیادہ کمائی کے شوق میں ترقی یافتہ ممالک کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں۔ دل نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے پیاروں کو چھوڑ کر ان کے روشن مستقبل کی خاطر جدائی برداشت کرتے ہیں تاکہ ہمارے اپنوں کو سہولت مل سکے۔ مگر اپنا وطن اپنا دیس چھوڑ کر جب پردیس میں ڈیرے لگاتے ہیں تو تب اصل حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔ تب وہاں کی عیش و عشرت اور رنگ و رونق کی حقیقت کھلتی ہے مگر یہاں پر مظلومیت بھری زندگی خاموشی سے گزارنے کے لیے ہم صرف اس لئے تیار ہو جاتے ہیں کہ وہاں پیچھے ہمارے دیس میں ہمارے اپنے بیٹھے ہماری طرف سے آنے والے چند پیسوں کا بے صبری سے انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ یہاں پردیس میں ناانصافی اور ظلم کو دیکھ کر اگر ہم ترکِ وطن کا ارادہ کر بھی لیں تو اپنے گھر والوں کی ضرورت مند صورت آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔ پھر مجبوراً

اپنے آپ کو دوبارہ تسلی دے کر یہاں محنت کرنے کے لیے تیار کرتے ہیں۔

ظفر اعوان نے اسی قسم کے حالات اپنی آنکھوں سے پردیس میں دیکھے بھی ہیں اور اپنے اوپر سہے بھی ہیں۔ اسی لیے ظفر کی شاعری میں ہمیں جابجا پردیسیوں، اقلیتوں، مغلوبوں، مہاجروں اور مستضعفوں کا دکھ نظر آتا ہے۔ظفر نے پردیسیوں کے دکھ کو دیکھ کر بھلا نہیں دیا اور نہ ہی نظر انداز کیا بلکہ سارے دکھوں کو شاعری میں سمیٹ کر لوگوں کے سامنے لائے تا کہ ان مظلوموں کی دبی صدائیں ان کی شاعری کے ذریعے لوگوں تک پہنچ جائیں۔شاید اسی طرح اپنی شاعری کے ذریعے ظفر ان مظلوموں کی کچھ حمایت کر سکیں۔اور اپنی شاعری کے ذریعے ان کی آواز کو بلند کیا تا کہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی راہ ہموار ہو جائے۔ظفر کو اپنے دیس اور دیس کے لوگوں اور یہاں کی اقدار و روایات سے بے حد لگاؤ ہے مگر تلاش معاش کے لیے انہیں یورپ میں اقلیتوں والی زندگی گزارنی پڑ رہی ہے۔ظفر کو لگتا ہے کہ ان کا جسم یورپ میں ہے مگر ان کی روح تو اپنے وطن پیارے پاکستان میں ہی ہے۔اس طرح انہیں اپنا وجود دو ٹکڑوں میں بٹا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے جو کہ بہت ہی تکلیف دے بات ہے کیونکہ غیر مسلم ممالک میں مسلمان اقلیت بن کر رہتے ہیں۔ پھر یاد آتا ہے اپنے ملک کی مسجدوں میں اذانوں کی آوازیں، مسجدوں کی آزادی، مسجدوں میں نمازیوں کا رش اور تراویح میں تلاوت کی گونج یہ سب کچھ غیر مسلم ممالک میں کہاں میسر ہو سکتا ہے وہاں یہ سب محظ ایک خواب ہے۔

ظفر اعوان نے اپنی کتاب ”دھیمی اذانیں“ میں مختلف عنوانات پر بات کی ہے جیسے توحید پرستی، جس میں انہوں نے اللہ تعالی کی وحدانیت کو بڑی عاجزی سے اپنی شاعری کے الفاظ میں پرو کر بیان کیا ہے۔اسی طرح عشق مصطفی ﷺ پر بھی ظفر نے قلم اٹھایا ہے اور

اپنی محبت اور عقیدت کا بھرپور انداز میں اظہار کیا ہے۔ پھر اہل بیت کے ساتھ اپنی دلی محبت کو بھی اس کتاب میں بیان کیا ہے اس کے بعد ظفر نے اقلیتوں کے دکھ کو اس کتاب میں شاعری کے ذریعے خوب ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ الغرض انہوں نے بے شمار موضوعات کو اس کتاب میں سمونے کی ایک اچھی اور کامیاب کوشش کی ہے۔ اور کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں کیونکہ اس کتاب میں انہوں نے غریب لوگوں کی مفلسی کا رونا بھی رویا ہے جو کہ اپنے گھر بار، چھوٹے بچوں، ماں باپ اور بہن بھائیوں تک کو دل نہ چاہتے ہوئے بھی چھوڑ کر پردیس جانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ وہاں جا کر پردیس کی سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور اسی دوران اگر ملک میں کوئی اپنا ان سے جدا ہو جائے تو وہ مجبوراً وہاں سے ان اپنوں کا آخری دیدار کرنے بھی نہیں آ سکتا۔ اور نہ ہی اپنے ہاتھوں سے ان کی آخری رسومات ادا کر سکتا ہے۔ بیچارہ پردیس میں دو طرح کی تکالیف برداشت کر رہا ہوتا ہے مطلب دوہری اذیت سہہ رہا ہوتا ہے۔

المختصر ظفر ایک ترقی پسند شاعر ہیں جو معاشرے کے تمام مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں اور ان مسائل کو حل کرنے کے لئے قلم اٹھاتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہمارا ملک اتنا خوش حال ہو جائے کہ کسی کو بھی ان کی طرح پردیس جا کر مجبوراً ڈیرے نہ لگانے پڑیں اور اپنی شاعری کے ذریعے ظفر نے پردیس میں مقیم اقلیتوں کا دکھ بڑے مؤثر انداز میں بیان کیا ہے تاکہ ان کی آواز جو بہت دھیمی ہو چکی ہے وہ آئندہ نسلوں تک پہنچ جائے۔ کیونکہ ظفر یہ چاہتے ہیں کہ اپنوں سے دوری کا جو دکھ انہوں نے برداشت کیا ہے وہ اب آئندہ نسلوں کو نہ برداشت کرنا پڑے۔ ان کی شاعری اور ترقی کا سفر ابھی یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ بڑی تیزی سے اپنی اگلی منزلوں کی طرف رواں دواں ہے۔

حوالہ جات

1-نقاش بلوچ (مضمون) مشمولہ: دھیمی اذانیں (ظفر اعوان)، حاجی منیر سنز پرنٹر، لاہور، 2020ء، ص13
2-ظفر اعوان،، دھیمی اذانیں، حاجی منیر سنز پرنٹر، لاہور، 2020ء، ص52
3-ایضا، ص40
4-ایضا، ص85
5-ایضا، ص41
6-ایضا، ص42
7-ایضا، ص44
8-شعب الایمان، ج2، ص189، حدیث، 1505
9-ظفر اعوان،، دھیمی اذانیں، حاجی منیر سنز پرنٹر، لاہور، 2020ء، ص52
10-ایضا، ص127
11-ایوب صابر، دھیمی اذانیں، حاجی منیر سنز پرنٹر، سیالکوٹ، 2020ء، ص18
12-ایضا، ص46
13-ایضا، ص68
14-ایضا، ص87
15-ایضا، ص102
16-ایضا، ص63
17--القرآن الکریم، مترجم، مولانا محمد جونا گڑھی، شاہ فہد قرآن کریم پسرنٹنگ کمپلکس، سعودی عرب، سورۃ آل عمران المدنی، آیت نمبر 103، 2010، ص178
18-ظفر اعوان،، دھیمی اذانیں، حاجی منیر سنز پرنٹر، لاہور، 2020ء، ص68
19-یونس آمین، ڈاکٹر، دھیمی اذانیں، حاجی منیر سنز پرنٹر، مانچسٹر، انگلینڈ، 2020ء، ص29

20-ظفر اعوان،، دھیمی اذانیں، حاجی منیر سنز پرنٹر، لاہور، 2020ء، ص54
21-ایضا، ص104
22-ایضا، ص121
23-ایضا، ص124
24-فراق گورکھپوری، من آنم، ادارہ فروغ اردو، لاہور1962ء، ص55
25-ظفر اعوان،، دھیمی اذانیں، حاجی منیر سنز پرنٹر، لاہور، 2020ء، ص103
26-القرآن الکریم، مترجم، مولانا محمد جوناگڑھی، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلکس، سعودی عرب، سورۃ البقرہ المدنی، آیت نمبر186، 2010، ص104
27-ظفر اعوان،، دھیمی اذانیں، حاجی منیر سنز پرنٹر، لاہور، 2020ء، ص48
28-ایضا، ص91
29-ایضا، ص78
30-ایضا، ص111

ظفر کوئی بھی لفظ اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرنے کا سلیقہ اور ادراک رکھتا ہے۔ ظفر کو شاعری سے محبت ہے اور یہی محبت اس کی پہلی اور آخری محبت ہے۔

جمشید مسرور، اوسلو، ناروے

ظفر اعوان کے کلام میں وطن کی محبت اور ہم وطنوں کا دکھ صاف نظر آتا ہے۔ آپ جب شعر کہتے ہیں تو اس میں عہد حاضر کی کربنا کیوں کی جھلک واضح نظر آتی ہے۔

سید سلمان گیلانی، لاہور

ظفر اعوان زبان کے اساطیری رنگ پر بضد نہیں بلکہ زبان کے متحرک ذائقے کو اپنا ڈکشن بنانے پر یقین رکھتے ہیں۔ نئی بات کی جسارت کو بھٹک جانے کی رائگانی پر ترجیح دیتے ہیں۔ دعا گو ہوں کہ خدا ان کے لفظ کی برکت میں اضافہ فرمائے۔

اظہر فراغ، بہاولپور

ظفر اعوان کی شاعری ان ریشمی دھیمی دھنوں کی طرح اپنے حصار میں لے لیتی ہے جنہیں صرف آنکھیں بند کر کے سنا اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔ وہ اپنی خاص اور الگ راہ پر چل رہا ہے۔ جہاں اس کی اپنی ایک پہچان اور شناخت ہے اور یہ شناخت کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔

میثم علی آغا، میلان، اٹلی

ظفر اعوان کی غزلیں پڑھ کر ایک تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ اپنے گہرے سماجی اور معاشرتی رابطوں کے باوجود ظفر کی شاعری کا واضح بیان شخصیت کا پرتو ہے۔ جس میں اُن کی بے ساختگی، ہلکا پھلکا طنز اور تخلیقی شخصیت کا عکس دکھائی دیتا ہے۔

جمیل احسن، سٹاک ہوم، سویڈن

شخصیت کے اعتبار سے ظفر اعوان ایک سیدھے، سچے، محبت کرنے والے اور ملنسار انسان ہیں۔ ملکی و قومی امور پر کھل کر بولتے اور لکھتے ہیں۔ ظفر اعوان اچھی شاعری کرنے کے لیے درکار تمام معیاروں پر عبور حاصل کرتے ہوئے اپنا نام اردو کے عمدہ شعراء میں شامل کر چکے ہیں۔

نقاش علی بلوچ، لاہور

سحر، پرندے اور اذانیں

دھنک مطبوعات
DHANAK MATBUAT
dhanakmatbuat.ua786@gmail.com
+92 300-8873052 / # +92 332-0045336

ظفر اعوان کی شاعری خوبصورت اور معصوم جزبوں کی ترجمان، سادہ اور شگفتہ اظہار سے لبریز ہے۔ میری دعائیں اس نوجوان کے ساتھ ہیں۔ اللہ کرے یہ آسمانِ ادب کا ستارہ بنے۔ آمین

عطاء الحق قاسمی، لاہور

سادگی، سلاست اور شدت احساس ظفر اعوان کی شاعری کے نمایاں اوصاف ہیں اور کسی بھی شاعری کی مقبولیت کے لیے یہ اوصاف ضروری ہیں۔ ظفر اعوان نے شعری روایت کو خوبصورتی سے نبھایا ہے۔ ان کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔

اسلم کولسری، لاہور

ظفر اعوان کی سحر انگیز شخصیت اور شاعری کے باعث ان سے محبت کرنے والے بہت ہیں۔ ظفر کی اردو شاعری ہو یا پنجابی، وہ امکانات سے بھرپور ہے۔ ظفر کے اندر ادبی حوالے سے بے پناہ صلاحیتیں موجود ہیں اور انہیں بروئے کار لا کر وہ بہت آگے جا سکتا ہے۔

حسن عباسی، لاہور

ظفر اعوان ایک ابھرتے ہوئے نوجوان شاعر ہیں۔ میں ان کی جستجو اور لگن دیکھ کر حیران ہوا ہوں کہ نوجوانی ہی میں وہ ادب کے میدان میں وارد ہوئے ہیں۔ وہ لفظوں کے ذریعے دل میں اترنے کا ہنر خوب جانتے ہیں۔ میں ان کی ترقی و کمال کے لیے دعا گو ہوں۔

اقبال راہی، لاہور

ظفر اعوان بات کو سلیقے سے کہنے اور دلوں میں گھر کر لینے کے فن سے بخوبی واقف ہیں۔ ظفر کو شاعری سے جنون کی حد تک عشق ہے۔ وہ انسانیت سے محبت کرنے والا انسان ہے۔ اس کا قلم بنی نوع انسان کے روشن مستقبل کا متمنی رہتا ہے۔ ان کی تخلیقی فکر اور تازہ کاری وہ کہکشاں ہے جس کی کشش منفرد ہے۔

محمد اقبال، کوپن ہیگن، ڈنمارک